تعمیر حیات

لکھنؤ

پندرہ روزہ

جلد بھڑک جانے والی چیز

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے ۲۸ اپریل ۱۹۷۹ء کو دارالتعلیم والصنعت جاجموٴ کانپور میں خواص کے ایک چھوٹے سے اجتماع کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا،

میں اسی وقت کالپی (ضلع جالون) کے سفر سے واپس آرہا ہوں، جاتے ہوئے میری کار کے سامنے پٹرول لے جانے والی ایک گاڑی آگئی، گنجان آبادی والے شہر میں جہاں ٹریفک زیادہ ہوتی ہے کوئی بڑی گاڑی چھوٹی گاڑی کے سامنے آجائے تو دیر تک اس کا ساتھ رہتا ہے، پٹرول والی گاڑی کے پشت پر جلی حروف سے لکھا ہوا تھا، "Highly Inflammable" (بہت تیزی سے آگ پکڑ لینے والی اور بھڑک جانے والی چیز)

حالیہ واقعات کی روشنی میں اور بھٹو صاحب کی پھانسی کے سلسلہ میں ہندوستان کے بعض حصوں میں مسلمانوں نے جس جذباتیت، اشتعال پذیری اور بے قابو ہو جانے کا مظاہرہ کیا، اس سے میرا ذہن پٹرول کی اس گاڑی سے مسلمانوں کے قومی مزاج کی طرف منتقل ہوگیا، میں نے کہا کیا مسلمان پٹرول کی اسی گاڑی کی طرح ہیں؟ یہ پٹرول کی تعریف، بارود کی تعریف، جلد بھڑک جانے والی چیز "پنبہ و آتش" (روئی اور آگ) کی تعریف تو ہوسکتی ہے، مسلمانوں کی تعریف نہیں ہوسکتی، اور یہ ان کی کوئی خوبی اور تعریف نہیں ہے کہ ذرا ذرا سی بات پر اپنا توازن کھو دیں، جامہ سے باہر ہوجائیں اور ہر طرح کے شرعی، اخلاقی، عقلی و انسانی حدود کو پھلانگ جائیں،

(الفاظ کے تھوڑے تغیر و تبدل کے ساتھ)

اس شمارے میں

۱۔ تعلیم القرآن اور محسن انسانیت ﷺ نے فرمایا۔
۲۔ تدعی شست و گواہ چست (اداریہ)
۳۔ دوبئی میں مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا خطاب۔
۴۔ اس عاشقی میں عزت "سادات" بھی گئی۔
۵۔ بڑا آدمی، بُرا انجام ــ خدا لگتی بات
۶۔ سقوط افغانستان کے بعد کمپالا
۷۔ اصلاح معاشرہ اور باطنی تطہیر
۸۔ "اسلام ایک متحدہ سیاسی قوت" ٹائم میگزین
۹۔ عیدی امین مغربی سازش کا شکار
۱۰۔ تاریخ اسلام کا ایک ورق
۱۱۔ اقبالؒ اور عشق رسول ﷺ
۱۲۔ سانحہ کشمیر اور اس کے اسباب
۱۳۔ مصر میں اسلامی بیداری کے خلاف مہم
۱۴۔ مشہد جمشید پور
۱۵۔ بھٹو کی پھانسی اور ہندوستانی مسلمان
۱۶۔ عالم اسلام کے مسائل
۱۷۔ اخبار "المدینۃ" کی حق گوئی
۱۸۔ جنرل ضیاء الحق کا خطبہ صدارت
۱۹۔ مزار اقبال کی تعمیر کے مراحل
۲۰۔ تجریدی انسان
۲۱۔ شخصی سیاست کا المیہ
۲۲۔ خرد کا نام جنوں پڑگیا
۲۳۔ شاہ معین الدین احمد ندوی کی یاد
۲۴۔ مراسلات اور نظم، نعت، غزل

یہ شمارہ تین عام شماروں پر مشتمل ہے ۔ صفحات ۴۴ ـــ قیمت: ۲ دو روپے

Regd No. LW/NP 56

Phone: 42949 / 49747

TAMEER-E-HAYAT

Fortnightly

(NADWATUL-ULAMA LUCKNOW-226007 (INDIA)

(بقیہ ص۳: اداریہ)

جانا مردانگی قرار دیا ہے۔ جس نے رشتہ توڑنے والے سے صلہ رحمی کا حکم دیا ہے۔ جس نے غم کھانے اور دوسروں کا غم دور کرنے کی ترغیب دی ہے جس نے نفع میں سب سے پیچھے رہنے اور ایثار و قربانی میں سب سے آگے رہنے کی دعوت دی ہے۔ جس نے اہل و عیال اور قرابت داروں کو فائدہ میں ہمیشہ پیچھے رکھا ہے اور غیروں کو ہمیشہ آگے۔ جس نے خلوت و جلوت میں، رات کے اندھیرے اور دن کے اجالے میں، گوشۂ تنہائی اور بزم و انجمن میں ہر جگہ اور ہر موقع پر یکساں حالت اور یکساں جذبات پر قائم رہنا اور کسی ترغیب اور کسی خوف و لالچ میں بھی اسلام کے ان اصولوں سے منحرف نہ ہونا۔ انسانیت کا اصل جوہر اور کمال قرار دیا ہے۔ جس کی تعلیم یہ ہے کہ کم سے کم خدمت اور زیادہ سے زیادہ خدمت کرو، زیادہ سے زیادہ سخاوت و فیاضی سے پیش آؤ اور سوال اور اشراف نفس سے دامن بچاؤ۔ مخلوق کو فائدہ پہونچاؤ اور اس کا اجر خالق سے طلب کرو، خدا کی اطاعت و عبادت اور اس کے دین کی اشاعت کو اپنی زندگی کا مقصد بناؤ لیکن مخلوق سے اس کے اجر کے طلبگار نہ ہو۔

اسلام کے یہ اصول صرف کاغذی پھول یا خوش کن نظریات نہیں۔ جس کے لئے طاقت لسانی یا قلم کی روانی کافی ہو، اس کے لئے ضبط نفس بلکہ نفس کشی کی، بڑے عزم و استقامت اور بڑے صبر و تحمل کی اور سب سے بڑھ کر تضرع و انابت اور دل شکستگی کی ضرورت ہے کہ اس کے بغیر زندگی کا کوئی قفل اور دل کی کوئی گرہ کھلتی ہوئی نظر نہیں آتی ؎

تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے ترا آئینہ ہے وہ آئینہ
کہ شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہ آئینہ ساز میں

اس کے لئے ہم میں سے ہر شخص کے سامنے خواہ وہ کسی طبقہ سے تعلق رکھتا ہو ایک ہی اصول ہے اور وہ یہ کہ وقتاً فوقتاً اپنی زندگی کا محاسبہ کیا جائے اور ظاہر و باطن میں یکسانیت پیدا کرنے کی کوشش کی جائے۔ جن چیزوں پر ہم صرف ایمان و عقیدہ رکھتے ہیں یا جن اصولوں کے لئے ہم نے صرف داد تحسین کو کافی سمجھ لیا ہے ان پر عمل کرنے کا سچا ارادہ کیا جائے اور خلوص و عزم کے ساتھ، اپنی کوتاہی اور بے بسی کے احساس کے ساتھ، خدا کی قدرت و رحمت کے یقین کے ساتھ ایک نئی زندگی کے آغاز کی کوشش کی جائے، یہ ایک ایسی زندگی ہوگی جس میں پتھر سے بھی سخت دلوں کو موم کرنے اور سرکش و عاصی انسانوں کو خدا کے مطیع و فرمانبردار اور انسانیت کے ہمدرد اور غمخوار انسانوں میں تبدیل کرنے کی پوری صلاحیت ہوگی۔ اس کے لئے پھر نہ کسی اشتہار کی ضرورت ہوگی، نہ اعلان کی، یہ زندگی خود اپنی کامیابی اور برتری کا اعلان ہوگی اور روئے زمین پر خدا کے پسندیدہ طریقۂ زندگی کا اظہار۔

ضمیر انسانی مردہ نہیں ہوا ہے اس پر صرف غفلت اور مادیت کے دبیز پردے پڑگئے ہیں، ہماری سست خرامی اور پست ہمتی اور کوتاہ دستی کی وجہ سے یہ پردہ چاک نہیں ہو پاتا اور اس کے اندر چھپا ہوا صاف و شفاف اور پاکیزہ چہرہ دنیا کی نگاہوں کے سامنے نہیں آپاتا۔

انسانوں کی فطرت وہی ہے اور خدا کا پیغام بھی وہی، نفس پرستی اور اغراض اور مادیت کی گھٹاؤں کی وجہ سے یقیناً آج ساری دنیا ایک گہرے اندھیرے میں ڈوبتی معلوم ہورہی ہے۔ لیکن مسلمانوں کے پاس اب بھی وہ روشنی موجود ہے جو اس تاریکی کو دور کرسکتی ہے۔ یہ روشنی خدا کی اور اس کے بھیجے ہوئے پیغمبروں کی روشنی ہے جس نے تاریخ کے ہر دور ظلمت میں بھٹکے ہوئے انسانی قافلے کے لئے روشنی کا سامان کیا ہے اور اس کے لئے ہدایت و نجات کا راستہ آسان کیا ہے۔

عمدہ کتابیں ــــ ارزاں کتابیں

انتہائی کم قیمت پر ایسی زندہ و روشن دینی، ادبی، تاریخی، اصلاحی کتابیں جو ہر انسان کو ہمیشہ نیک راہ دکھائیں اور باوقار زندگی بسر کرنے میں معاون ثابت ہوں۔ ملک کے طول و عرض میں ایسی بامقصد کتابیں پھیلانے کا ایک انقلاب آفریں پروگرام (جس کے تحت پہلی سیریز مکمل ہوچکی ہے ــــ اپنی پہلی فرصت میں ہم سے طلب فرمائیں۔

- تدبر قرآن (جلد اول) مفسر امین احسن اصلاحی ــــ اردو ــــ فوٹو آفسیٹ، سائز ۳۰×۲۰/۸
- دی میننگ آف گلوریس قرآن (مترجم مارماڈیوک پکتھال) ــ انگریزی ــ ۳۰×۲۰/۱۶
- دی میننگ آف گلوریس قرآن (مترجم مارماڈیوک پکتھال) انگریزی مع عربی ۲۲×۱۸/۸
- دی میننگ آف گلوریس قرآن (مترجم مارماڈیوک پکتھال) انگریزی مع عربی متن (ایکسپورٹ کوالٹی) ۲۲×۱۸/۸
- نماز ــــ احکام الصلوٰۃ ــــ خوشنما ٹائٹل ــــ فوٹو آفسیٹ، سائز ۳۰×۲۰/۱۶
- نماز مترجم (مع ضروری مسائل) رنگین ــــ خوشنما ٹائٹل ۳۰×۲۰/۱۶
- قاعدہ یسرنا القرآن ــــ خوشنما ٹائٹل ۳۰×۲۰/۱۶
- قرآن معریٰ عکسی نمبر ۲ ــــ جدید ترین کتابت ۳۰×۲۰/۸

زیر طبع:

- تدبر قرآن (جلد دوم) ــــ سائز ۳۰×۲۰/۸
- آدھی رات کی آزادی ــــ (پبلیشر علی محمد اینڈ سنز) ــــ سائز ۳۶×۲۳/۱۶

نوٹ: آپ مندرجہ ذیل اداروں کی کتب بھی ہم سے طلب فرما سکتے ہیں۔
بک سیلر حضرات کو مناسب رعایت دی جائے گی۔

ادارہ "الحسنات" رامپور، مکتبہ "ذکریٰ" رامپور، مکتبہ "حجاب" رامپور، "اردو ترقی بورڈ" دہلی اور مکتبہ "الرسالہ" دہلی۔

ناشر: ورلڈ اسلامک پبلیکیشنز، ۱۰ جامع مسجد دہلی

مفید کتب

آؤ نماز سیکھیں	از حافظ منظور الحسن	قیمت:	۱/-
آسان خطوط نویسی	"	"	۲/-
بد نصیب شہزادی	"	"	۱/-
آسان اردو ماسٹر (ہندی سے اردو سیکھئے)	"	"	۲/۵۰

مکتبہ گلستان ادب، ۹۹۸ ٹیا محل جامع مسجد دہلی

"تعمیر حیات" میں اشتہار دیکر اپنی تجارت کو فروغ دیں

تعمیرِ حیات

لکھنؤ

پندرہ روزہ

شعبۂ تعمیر و ترقی دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ

جلد نمبر (۱۶) | ۲۵ اپریل و ۱۰ و ۲۵ مئی ۱۹۷۹ء ، ۲۷ جمادی الاول و ۱۲ و ۲۷ جمادی الثانی ۱۳۹۹ھ | شمارہ نمبر ۱۲-۱۳-۱۴

شرح تعاون

اندرون ملک ——— ۱۶ روپئے

فی پرچہ ——— ۸۰ پیسے

بیرون ملک۔ بحری ڈاک۔ جملہ ممالک ۳ پونڈ

ہوائی ڈاک

ایشیائی ممالک ۶ پونڈ

افریقی ممالک ۷ پونڈ

یورپ و امریکہ ۹ پونڈ

اس دائرہ میں اگر سرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے لہٰذا اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ دین و ادب کا خادم، ندوۃ العلماء کا ترجمان، آپکی خدمت میں پہنچتا رہے تو اس کا سالانہ چندہ مبلغ سولہ روپے ارسال فرمائیے۔ اگر اگلے شمارہ کی روانگی سے پہلے آپ کا چندہ یا خط موصول نہ ہوا تو یہ سمجھ کر کہ آپ کو وی۔ پی سے چندہ ادا کرنے میں سہولت ہے۔ اگلا پرچہ مع وی پی خرچ Rs. 19/25 کے مطالبہ میں وی۔ پی سے روانہ ہوگا۔ چندہ یا خط بھیجتے وقت اپنا نمبر خریداری لکھنا نہ بھولیں۔

اسحٰق جلیس ندوی

مدعی سست و گواہ چست

۱۔ امت مسلمہ کو قرآن مجید میں امت وسط (امت معتدل) کہا گیا ہے،

وکذلک جعلناکم امۃً وسطاً لتکونوا شہداء علی الناس۔

(اور اس طرح ہم نے تم کو امت معتدل بنایا ہے، تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو)

جس ملت کو شہداء علی الناس کے مقام سے سرفراز ہونا ہے، اس کو زندگی کے کسی مرحلہ میں راہ اعتدال سے منحرف نہیں ہونا چاہیئے۔ یہ امت اگر اعتدال سے دامن کش ہو جائے تو اس میں تمام بنی نوع انسان کا خسارہ ہے۔

۲۔ اس ملت کا دوسرا امتیازی وصف یہ ہے کہ اسے دنیوی زندگی میں واضح ہدایات اور رہنمائی کے ساتھ بھیجا گیا ہے، خدا کی کتاب اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ اس امت کی قیامت تک رہنمائی کے لیے کافی ہے، اس ملت کی تاریخ شاہد ہے کہ جب اس رہنمائی سے وہ بے نیاز ہوئی اس نے نقصان اٹھایا اور جب کتاب و سنت کو رہنما بنایا کامیاب اور سربلند ہوئی۔

۳۔ اس ملت کو کتاب الٰہی میں ان گنت مقامات پر عقل، تدبر اور بصیرت کو کام میں لانے اور غور و فکر کو اپنانے کی دعوت دی گئی ہے، اندھی تقلید و اطاعت سے اور جوش و جذبات کے دھارے میں بہنے سے روکنے کیلئے مسلمانوں کی صفات کا ذکر کرتے ہوئے یہاں تک فرمایا گیا کہ، والذین اذا ذکروا بآیات ربھم لم یخروا علیھا صُمًّا وعُمیانًا (اور وہ (رحمان کے بندے) کہ جب ان کو پروردگار کی باتیں سمجھائی جاتی ہیں تو ان پر اندھے اور بہرے ہو کر نہیں گرتے (بلکہ غور و فکر سے کام لیتے ہیں)۔

کسی غیر محتاط شخص کی بات اور پروپیگنڈہ پر یقین کرنے سے ان الفاظ میں روکا گیا،

یا ایھا الذین آمنوا ان جاءکم فاسق بنبأ فتبینوا ان تصیبوا قوما بجھالۃ فتصبحوا علی ما فعلتم نٰدمین (ایمان والو! اگر کوئی غلط کار تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو خوب تحقیق کر لیا کرو (مبادا) کہ کسی قوم کو نادانی سے نقصان پہنچا دو۔ پھر تم کو اپنے کئے پر نادم ہونا پڑے)

۴۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک سے صحابہ کرامؓ کو جو محبت و عشق تھا اس کی نظیر پوری تاریخ انسانی میں نہیں ملتی، لیکن جماعت صحابہؓ کی حضورؐ نے جس طرح تربیت فرمائی تھی اس کا اندازہ اس واقعہ سے بخوبی ہوگا کہ ایک مرتبہ حضورؐ نے فرمایا کہ "اپنے بھائی کی مدد کرو چاہے وہ ظالم ہو یا مظلوم ہو"۔

صحابہ کرامؓ جو حضور کے جاں نثار تھے اور آپ کی ہر بات واجب الاطاعت سمجھتے تھے، اس موقع پر اپنی ذہنی تربیت کے اظہار سے ذرا نہ جھجکے اور انہوں نے دریافت کیا کہ "یا رسول اللہؐ! مظلوم کی مدد تو سمجھ میں آتی ہے لیکن ظالم کی مدد کیونکر کی جائے؟" اس پر آپؐ نے تشریح فرمائی کہ "ظالم کی مدد یوں کہ اسے ظلم سے روکو"۔

۵۔ مسائل کو جانچنے اور شخصیتوں کو پرکھنے کے لیے ہمیں وہ پیمانے بھی دیئے گئے ہیں جن کے ذریعہ ہم صحیح اور غلط، اچھے اور برے، مفید اور مضر، دوست اور دشمن کی تمیز کر سکتے ہیں۔ جو بات اسلام کے مصالح اور ملت کے مفاد سے متصادم ہوگی ہم اس سے دست کش ہوں گے، ہر شخصیت کو ہم قرآن و سنت کے مقرر کردہ معیار احترام و عزت پر پرکھیں گے،

العزۃ للّٰہ ولرسولہ وللمؤمنین اور ان اکرمکم عند اللّٰہ اتقاکم۔

ہم کسی مسئلہ کو اور کسی شخصیت کو اپنے ذہنی پیمانوں اور ناقص معیار پر نہیں جانچیں گے۔

> سچ بات کو جھوٹ کے پردوں میں نہ چھپاؤ
> اور اگر تمھیں سچائی کا علم ہو تو اسکو جان بوجھ کر اپنے تک نہ روکے رکھو۔ (قرآن حکیم)

۶۔ جس ملت کو ایسی واضح رہنمائی نصیب ہو، جس کے پاس خیر و شر کی تمیز کے اعلیٰ پیمانے ہوں، جسے زندگی کے ہر موڑ پر خدا کی کتاب اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ مبارک سے قیمتی ضابطے اور اصول عمل مہیا ہوں اور اس ملت کا عمل اس سے بالکل برعکس ہو، اس پر جتنا بھی ماتم و افسوس کیا جائے کم ہے۔

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا: کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

ہماری اس بے راہ روی اور قرآن و سنت کی تعلیمات سے بے نیازی کا بڑا بھونڈا مظاہرہ حال ہی میں پاکستان کے سابق وزیر اعظم بھٹو صاحب کی سزائے موت پر نظر آیا۔ عجیب و غریب بات یہ ہے کہ جس ملک میں یہ واقعہ پیش آیا وہاں کے نوے فی صد لوگوں نے اس خبر کو سن کر اطمینان کا سانس لیا، بعض حلقوں نے مٹھائیاں تقسیم کیں، نماز شکرانہ ادا کی، پاکستان سے ہندوستان میں آئے ہوئے چند لوگوں سے ہمیں ملنے کا اتفاق ہوا تو انہوں نے بھی اپنی نماز شکرانہ کا ذکر کیا، جب کہ یہاں جنرل ضیاء الحق کی حکومت نہیں تھی۔ پاکستان میں بھٹو صاحب واقعی مقبول ہوتے تو عوام، پولیس اور فوج کو خاطر میں نہ لاتے، پاکستان میں تو کچھ نہ ہوا البتہ ہندوستانی مسلمانوں نے اس مسئلہ میں اپنی انتہا پسندی، جوش و جذبے، غم و غصے اور بے دانشی کا جس طرح ثبوت دیا ہے وہ بہت تشویشناک اور قابل مذمت ہے۔

۷۔ ہندوستانی مسلمانوں کے ذہن کو مسموم کرنے اور غلط

تعلیم القرآن

از: مولانا محمد اویس نگرامی ندویؒ

تبلیغ کا طریقہ

ادع الیٰ سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وجادلھم بالتی ھی احسن (نحل-۱۶)	اپنے پروردگار کی طرف لوگوں کو عقلمندی اور اچھی نصیحت کے ذریعہ سے بلاؤ، اور ان سے اچھے طریقے سے مناظرہ کرو۔

اس آیت میں مسلمانوں کو بتلایا گیا ہے کہ وہ اپنے اللہ کے دین کی طرف لوگوں کو تین طریقوں سے بلائیں: (۱) حکمت (۲) اچھی نصیحت (۳) اچھے طریقے کا مناظرہ!

جب ہم کسی کے سامنے کوئی نئی بات پیش کرتے ہیں تو عام طور سے تین طریقے برتتے ہیں! یا تو اس بات کے ثبوت میں دل میں گھر کرنے والی دلیلیں پیش کرتے ہیں! یا سچے دل سے نصیحت کرتے یا یہ کرتے ہیں کہ اس کی دلیلوں کو مناسب طریقہ سے توڑتے ہیں اور اس کی غلطی ظاہر کرتے ہیں۔

پہلے طریقہ کا نام حکمت، دوسرے کا اچھی نصیحت اور تیسرے کا نام اچھے طریقہ کا مناظرہ ہے۔ اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ دین میں زبردستی نہیں! ایمان یقین کا نام ہے اور یقین کسی کے دل میں زبردستی نہیں پیدا کیا جا سکتا۔ غور کرو کہ مسلمانوں میں صحابہؓ سے بڑھ کر ایمان اور اسلام میں کون ہے؟ کوئی ایک صحابی بھی زبردستی مسلمان نہیں بنایا گیا تھا۔ سب رسول اللہؐ کی اچھی زندگی دیکھ کر اور اچھی باتوں کو سن کر ایمان لائے تھے۔ تم بھی آج اسی طریقہ سے اللہ کے دین کی تبلیغ کر سکتے ہو۔ رسول اللہؐ نے جب حضرت معاذ بن جبلؓ اور ابو موسیٰ اشعریؓ کو یمن میں اسلام کی طرف لوگوں کو بلانے کے لئے بھیجا تو رخصت کرتے وقت نصیحت فرمائی کہ اللہ کے دین کو آسان کر کے پیش کرنا، سخت بنا کر نہیں، لوگوں کو خوشخبری سنانا، نفرت نہ دلانا۔

جو کہو وہی کرو۔

لم تقولون ما لا تفعلون (صف ۱)	تم کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں۔

تم جو کچھ زبان سے کہو، اس پر خود عمل بھی کرو، نہیں تو تمہارے کہنے سننے کا لوگوں پر کچھ بھی اثر نہ پڑے گا۔ قرآن میں ہے:۔

کَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰہِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ (صف ۱)	بڑی بیزاری ہے اللہ کے یہاں کہ کہو وہ جو نہ کرو۔

خدا نے فرمایا، کیا اوروں کو نیکی کی بات بتاتے ہو اور خود اپنے کو بھول جاتے ہو؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو کہتے تھے اسی کو خود بھی کرتے تھے۔ لوگوں کو غریبوں، اور مسکینوں کی امداد کا حکم دیا، تو پہلے خود امداد کر کے دکھا دیا، معاف کرنے کی نصیحت کی تو اپنے زہر دینے والوں کو خود معاف بھی کیا، جنھوں نے آپ پر تیر برسائے اور تلواریں چلائیں اُن پر ہاتھ نہیں اُٹھایا۔ الغرض تم دوسروں کو نصیحت کرو تو خود کو بھول نہ جاؤ۔

رشتہ داروں کے ساتھ برتاؤ۔

یا ایھا الذین آمنوا قوا انفسکم واھلیکم نارًا۔ (تحریم-۱)	اے ایمان والو! اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو اس آگ سے بچاؤ۔

جس طرح اولاد کے ذمہ ماں، باپ کا حق ہے، اسی طرح ماں، باپ کے ذمہ اولاد کا بھی حق ہے، اس آیت میں اللہ نے حکم دیا ہے کہ اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔ یعنی ان کو تمام ایسے کاموں سے روکنا چاہیئے جن سے دین اور دنیا برباد ہو، اچھی تعلیم اور اچھی پرورش کا خیال رکھنا چاہیئے یہی محبت، روپیہ، کھانا، کپڑا، زیور اور بڑے بڑے گھروں میں نہیں ہے۔ سچی محبت تو اسی میں ہے کہ ہم بیوی بچوں کو اللہ کے غضب سے بچائیں اور ان کو دوزخ کا ایندھن نہ بننے دیں۔

خدا نے قرآن میں فرمایا ہے کہ نیک بندے جس طرح اپنے ماں باپ کی بخشش کی دعا مانگتے ہیں اسی طرح وہ اولاد کے حق میں بھی دعا کرتے ہیں۔

واصلح لی فی ذریتی (احقاف-۲)	اور میری اولاد میں صالح بنا۔

محمد ﷺ نے فرمایا

- ★ غریبوں کے ساتھ دوستی رکھو، امیروں کی مجلس سے احتراز کرو۔
- ★ جو ضامن ہے وہ تاوان کا ذمہ دار ہے۔
- ★ قضا کو دعا ہی ٹالتی ہے۔
- ★ سچا اور امین تاجر قیامت کے دن صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔
- ★ جس نے ہمارے دین میں کوئی ایسی بات نکالی جو دین میں نہیں ہے وہ رد ہے۔
- ★ تجارت میں رزق کے ۹ حصے ہیں۔
- ★ مومن کے لئے موت، اس کے رب کی طرف سے تحفہ ہے۔
- ★ موت ایک ایسا راستہ ہے جو دوست کو دوست سے ملا دیتا ہے۔
- ★ سب سے پاکیزہ کمائی ان تاجروں کی ہے جو لین دین میں جھوٹ نہیں بولتے اور اہل معاملہ سے وعدہ کرتے ہیں تو وعدہ خلافی نہیں کرتے۔
- ★ جو شخص کسی عیب دار چیز کو، اس کا عیب خریدار پر ظاہر کئے بغیر بیچ دے اللہ کبھی اس سے خوش نہیں ہوگا (یعنی جب تک اس کی تلافی نہیں کرتا)
- ★ جو کاروبار میں راست باز ہیں، بروز حشر وہ سایہ عرش کے نیچے ہوں گے۔
- ★ کاروبار تجارت میں غلط سلط قسمیں مت کھاؤ۔
- ★ جو اپنے بھائی کی پردہ پوشی کرے گا، دنیا و آخرت میں اس کی پردہ پوشی کیجائیگی۔
- ★ مزدور کو اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے مزدوری دیدی جائے۔
- ★ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تین آدمیوں پر میں خود دعویٰ کروں گا ان میں سے ایک جو مزدوروں کی مزدوری مارے۔
- ★ اطمینان سے کام کرنا اللہ کی طرف سے ہے۔ اور جلدی کام کرنا شیطان کی طرف سے۔
- ★ میری طرف سے احکام دینی پہونچاتے رہو خواہ وہ ایک آیت ہی ہو۔
- ★ خدا اسے آباد رکھے جس نے میری باتیں سنیں اور دوسروں کو پہنچائیں۔
- ★ نماز پڑھانے والے کو چاہیئے کہ نماز مختصر پڑھائے کہ مقتدیوں میں بوڑھے، کاروباری اور بیمار سبھی قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔
- ★ اللہ تعالیٰ پاک ہے اور پاکی کو پسند کرتا ہے، نظیف ہے اور نظافت اسے پسند ہے۔
- ★ اللہ تعالیٰ میل کچیل اور پراگندہ حالی کو پسند نہیں کرتا۔
- ★ صاف ستھرے رہا کرو کیونکہ اسلام پاکیزہ مشرب ہے۔
- ★ جسم کی پاکیزگی آدھا ایمان ہے۔
- ★ میری امت میں برے ہیں وہ لوگ جو اعضا کی پرورش (زیب و زینت) میں لگے رہتے ہیں۔
- ★ بڑا بھائی باپ کی جگہ ہے۔
- ★ اپنے استادوں کی توقیر کرو۔
- ★ برا ساتھی گویا آگ کا ایک ٹکڑا ہے۔
- ★ اپنی غلطی کا اقرار بلا تامل کر لو۔
- ★ مسکرانا خدا کی طرف سے پسندیدہ چیز ہے۔
- ★ بڑھ بڑھ کر باتیں بنانے والا دوزخ میں جائے گا۔
- ★ اعمال میں میانہ روی اختیار کرو۔ اور ایسی روش ترک کردو جو تمہارے لئے باعث دشواری ہے۔
- ★ سوار پیدل کو سلام کرے، پیدل بیٹھے ہوئے کو اور تھوڑے آدمی زیادہ آدمیوں کو سلام کریں۔
- ★ تم میں سے کسی نے کہیں شادی کا پیام دیا تو دوسرا وہاں پیام نہ لے جائے جب تک پہلا دستبردار نہ ہو گیا ہو۔
- ★ تمہارے غلام ان کے معاملہ میں انصاف کرو۔ ان کی حق تلفی نہ ہونے پائے، جو خود کھاؤ انہیں کھلاؤ جو خود پہنو انہیں پہناؤ۔

گمراہ کرنے میں یہاں کے پریس نے (افسوس کہ اس میں اردو پریس بہت نمایاں ہے) جس بے ضمیری، جھوٹ اور بہتان و افتراء کا بازار گرم کیا وہ ہماری صحافت کے چہرے کا بدنما داغ ہے۔ ہماری صحافت کی ناواقفیت، غیر ذمہ داری اور بد دیانتی سے عالم اسلام کے واقف حلقوں اور حقیقی صورت حال سے قریبی واقفیت رکھنے والوں میں ہندوستانی مسلمانوں کے ذہنی دیوالیہ پن کی جو تصویر ابھری ہے، اور ہماری جو رسوائی ہوئی اس کی تلافی ممکن نہیں۔ رائٹر، یو، این، آئی، پی ٹی آئی، اور بی بی سی کی خبروں کو وحی الٰہی سمجھنے والوں، اسلام دشمن عناصر سے حقیر مالی منفعت حاصل کرنے والوں اور اپنے پرچے کی اشاعت بڑھانے کے لیے من گھڑت جھوٹی سرخیاں جمانے والے صحافیوں نے ناواقف عوام کو گمراہ کیا، باہمی منافرت پھیلائی، دین داروں اور دیانت داروں پر سب و شتم، طنز و تعریض کو رواج دیا، بھائیوں کو بھائیوں سے لڑایا، ہزاروں گھر ویران کر دیئے، مسجدوں اور مقدس کتابوں کو نذر آتش کرا دیا اور دین سے وابستہ لوگوں پر عرصۂ حیات تنگ کیا، اس دروغ گو اور شر انگیز صحافت کے علم برداروں کو یہ ذہن میں رکھنا چاہیئے کہ انہیں ایک نہ ایک دن خدا اور خلق کے سامنے حساب دینا ہوگا۔

ہر مکتب خیال کے رہنماؤں، ملت کے بہی خواہوں، دانشوروں اور قوم کے تعلیمیافتہ نوجوانوں کو اس مسئلہ پر سنجیدگی سے غور کرنا چاہیئے کہ

کیا ملت کی قسمت کی باگ ڈور "نئی دنیا" "عوام"، "نشیمن"، "بلٹز" جیسے حقائق کو مسخ کرنے والے اخبارات کے سپرد کر کے تعمیری ذہن کی تشکیل اور ملی جدوجہد کے مثبت نتائج کی توقع کی جا سکتی ہے؟

۸۔ تحریکوں اور شخصیتوں کے مدح و ذم اور تعریف و تنقید کے سلسلے میں ہم نے ذاتی ذوق و وجدان اور سنی سنائی باتوں پر انحصار و اعتماد نہیں کیا، اسلام کے وسیع تر مفاد، امت کے سواد اعظم کی فلاح و بہبود اور قرآن و سنت کا مقرر کردہ پیمانہ ہمیشہ ہمارے پیش نظر رہا ہے۔ ایک زمانہ میں مصر کے مرحوم صدر جمال عبد الناصر کا طوطی بولتا تھا، ان کی تعریف و توصیف اور مدح و ستائش میں ہر طبقہ بازی لے جانا چاہتا تھا۔ انہیں عربوں کا نجات دہندہ اور عربوں کے اتحاد کا مظہر سمجھا جاتا تھا، اس دور میں ہم نے جمال عبد الناصر پر بے لاگ تنقید کی اور عربی قومیت کے ان کے نعروں کے ہولناک عواقب کی نشان دہی کی۔ ان کے خطرناک عزائم اور حقیقی تصویر کو بے نقاب کیا، عالم اسلام کو ان کی گمراہی کا شکار ہونے اور ان کے سحر سے آزاد کرنے کی مقدور بھر کوشش کی، آنے والے دور نے یہ ثابت کیا کہ ہمارے اندیشے غلط نہیں تھے، عالم عربی اور عالم اسلام کو اس شخص سے عظیم نقصان پہونچا، ایک رسوا کن شکست ہوئی، بیت المقدس مسلمانوں کے ہاتھ سے جاتا رہا اور آج تک عالم عربی اس کے بوئے ہوئے کانٹوں سے لہولہان ہے۔ جمال عبد الناصر پر ہماری تنقید، ان کی ناعاقبت اندیشانہ اور اسلام مخالف سرگرمیوں پر ہماری گرفت بہت بڑے حلقے کو گراں گذرتی تھی، لیکن ہم اپنی دینی ذمہ داری سمجھتے ہوئے یہ فریضہ انجام دیتے رہے، ہمیں اسلام عزیز ہے، اخلاقی قدریں عزیز ہیں، انسانیت کی فلاح و بہبود عزیز ہے،

ہم شخصیتوں کو اسی عینک سے دیکھتے ہیں۔

بھٹو صاحب سے ہمیں کوئی ذاتی پرخاش نہیں، ہمیں ان کی خوبیوں اور خامیوں سے صرف اس وجہ سے دلچسپی ہے کہ وہ ایک عظیم مسلم ملک کے سربراہ تھے، ان کی اسلام مخالف یا اسلام موافق سرگرمیوں کا اثر عالم اسلام پر پڑ سکتا تھا، اسی نقطۂ نظر سے آج ہم انکی شخصیت کا جائزہ پیش کر رہے ہیں۔ یہ جائزہ سنی سنائی باتوں یا مغربی خبر رساں ایجنسیوں کی رطب و یابس خبروں پر مبنی نہیں بلکہ براہ راست مطالعہ، سال گذشتہ پاکستان کے سفر اور وہاں کے قریبی مشاہدے نیز عالم اسلام کے غیر جانبدار و دیانت دار اہل قلم کی نگارشات سے استفادہ پر مبنی ہے۔

۹۔ ذوالفقار علی بھٹو، سیاست کے میدان اور اجتماعی زندگی میں پاکستان کے سابق صدر اسکندر مرزا کی دریافت ہیں، وہی اسکندر مرزا جس نے پاکستان کو بازیچۂ اطفال بنا رکھا تھا، جو پاکستان کے عوام پر سازشوں کے ذریعہ ایک عذاب بن کر مسلط رہا، جس نے اپنے دور میں کبھی کوئی مستحکم حکومت قائم ہونے نہیں دی، جس کے دور میں صبح شام وزارتیں بدلتی تھیں، نتیجہ یہ کہ فوج کو مداخلت کرنی پڑی اور پاکستان میں سب سے پہلا مارشل لا نافذ ہوا، مرحوم ایوب خاں نے چیف مارشل لا ایڈمنسٹریٹر کا عہدہ سنبھالا، نئی کابینہ بنی، اسکندر مرزا نے بھٹو صاحب کو وزارت کے لیے پیش کیا، اس دور میں بھی جب بحیثیت صدر اسکندر مرزا نے سازشوں کا چکر چلایا تو مرحوم ایوب خاں نے انہیں معزول کر کے جلا وطن کر دیا اور لندن میں اس حال میں وہ مرے ہیں کہ ان کا کوئی پرسان حال نہ تھا۔ بھٹو صاحب ایوب خان کو ڈیڈی کہہ کر اپنی پوزیشن مضبوط کرتے گئے۔ اس دور میں انہوں نے ۱۹۶۵ء کی جنگ میں کس طرح پاکستان کو تباہ کرنے اور مشرقی پاکستان میں بے اعتمادی پیدا کرنے کی سازش کی، معاہدۂ تاشقند میں کیا کردار ادا کیا، ایوب خان کی مستحکم حکومت کو انہوں نے کن سازشوں سے متزلزل کیا، اس کی تفصیلات کا یہاں موقع نہیں، اس شمارے کے دیگر مضامین میں ان باتوں پر روشنی پڑے گی، یہاں ہم صرف ان کے دور اقتدار کے "کارناموں" کے جائزے پر اکتفا کرتے ہیں۔

بھٹو صاحب کی پھانسی کو بہانہ بنا کر خود مسلمانوں کے ذریعہ اسلام اور دینی ذہن کے خلاف جو مہم چلائی گئی اس کی مثال برصغیر کی تاریخ میں نہیں ملتی، بعض اخبارات نے ایسی فضا بنائی کہ نمازی اور دیندار مسلمان تک اپنی ناواقفیت اور بے شعوری کی وجہ سے اس سیلاب میں بہہ گئے۔ اس موضوع پر قلم اٹھا کر ہم ایک ناخوشگوار فریضہ انجام دے رہے ہیں، لیکن اس مجبوری کو ہم ایک دینی اور اخلاقی ذمہ داری سمجھتے ہیں۔

۱۰۔ ذہانت: بھٹو صاحب کے قصیدہ خوان ان کی ذہانت کا بڑا ذکر کرتے ہیں، بیشک وہ ایک ذہین انسان تھے لیکن تنہا ذہانت کوئی ایسی صفت نہیں کہ اس کے صحیح یا غلط استعمال سے صرف نظر کر لی جائے، ذہانت دو دھاری تلوار ہے اگر یہ تعمیر پر صرف ہو تو مفید اور تخریب کے رخ پر چلے تو اس سے بڑھ کر مہلک کوئی اور چیز نہیں۔ بھٹو صاحب کی زندگی کا مطالعہ کیجئے تو ان کی ذہانت ہمیشہ تخریب کی طرف مائل نظر آئے گی، ۱۹۷۰ء کے انتخابات کے بعد جب انہوں نے یہ دیکھا کہ شیخ مجیب الرحمٰن کی پارٹی اکثریت میں آگئی ہے تو انہوں نے ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ پُرامن انتقال اختیارات کا مرحلہ طے نہ ہو سکا اور ملک دو ٹکڑوں میں بٹ گیا۔ مشرقی پاکستان میں مارشل لا کا نفاذ، ہندوستان سے جنگ اور اس میں رسوا کن شکست کی سازش میں بھٹو صاحب نے کلیدی کردار ادا کیا، عین اس وقت جب مشرقی پاکستان کا سقوط ہونے والا تھا بھٹو صاحب بحیثیت وزیر خارجہ سلامتی کونسل میں بحث کے لیے گئے ہوئے تھے انہوں نے جان بوجھ کر تین چار دن بیماری کے بہانے میٹنگ میں شرکت نہیں کی اور پانچویں روز جب پہونچے تو پولینڈ کی جنگ بندی کی قرار داد کو پھاڑ کر واپس چلے آئے۔ یہاں ایک ایک لمحہ قیمتی تھا اور یہ قائد عوام اس کا منتظر تھا کہ مشرقی پاکستان کی پوری جان نکل جائے تاکہ وہ مغربی پاکستان پر بلا شرکت غیرے اقتدار پر قابض ہو جائے، ان کی سازش کامیاب ہوئی لیکن اس کا خمیازہ لاکھوں مسلمانوں کو بھگتنا پڑا۔

بھٹو صاحب کی پھانسی کی سزا سن کر غم و غصہ سے

بے قابو ہونے والے بہاری بھائیوں کو شاید یہ خیال نہیں رہا کہ سابق مشرقی پاکستان اور حالیہ بنگلہ دیش میں بہاری مسلمانوں پر جو کوہ غم ٹوٹا تھا جس میں دو لاکھ بہاری مسلمان بے دردی سے شہید کیئے گئے تھے اس خونی ڈرامے کے اصل اداکار بھٹو صاحب تھے، پھر جو مظلوم بہاری مسلمان کیمپوں میں کس مپرسی کے عالم میں پڑے تھے انہیں پاکستان میں پناہ دینے کے لیے آخر وقت تک جو انکار کرتا رہا وہی آج شہید اعظم اور قائد عوام بنا ہوا ہے اور اس کی محبت میں اپنے ہی ہم وطن دین دار بھائیوں پر زندگی دشوار کی جا رہی ہے۔ ع

"ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیئے"

۱۱۔ مسلم سربراہ کانفرنس: حقائق سے نابلد اور ضمیر فروش اخبارات کے اس پروپیگنڈہ سے عوام و خواص کی اکثریت متاثر ہے کہ بھٹو صاحب نے مسلم ممالک کے اتحاد کی زبردست کوشش کی اور اپنے دور میں مسلم ممالک کے سربراہوں کی کانفرنس لاہور میں منعقد کرائی۔ سربراہ کانفرنس کی اصل حقیقت یہ تھی کہ مرحوم شاہ فیصل شہید کو پاکستان سے بڑا تعلق تھا اور وہ اسے عالم اسلام کا قلعہ سمجھتے تھے، سقوط مشرقی پاکستان کے بعد انہیں ذاتی طور پر بے حد صدمہ پہونچا تھا۔ انہیں یہ خیال ہوا کہ پاکستان کے عوام کی مایوسی دور کرنے نیز پوری دنیا پر یہ تاثر قائم کرنے کے لیے کہ پاکستان تنہا نہیں مسلم ممالک کے سربراہوں کی کانفرنس اگر پاکستان میں کی جائے تو یہ مقصد حاصل ہوگا۔ اپنی تجویز کے ساتھ شاہ فیصل نے سربراہ کانفرنس کا پورا خرچ برداشت کیا جو کروڑوں سے متجاوز تھا، اس کانفرنس سے جس کے اصل محرک اور میزبان شاہ فیصل تھے بھٹو صاحب اور ان کے ساتھیوں نے دو فائدے حاصل کئے۔ اول یہ کہ لاکھوں روپیہ کانفرنس کے مصارف کے نام سے وصول کر کے اپنے اکاؤنٹ میں جمع کیا، بھٹو صاحب کے ایک ساتھی مصطفےٰ کھر نے ڈیڑھ کروڑ روپیہ، ممتاز بھٹو نے ایک کروڑ روپیہ اس کانفرنس میں غبن کیا، خود بھٹو صاحب جنہوں نے متحدہ عرب امارات کے شیخ زائد کے ان روپیوں کا جو ایک اسپتال کی تعمیر کے لیے دیا گیا تھا "نصرت ٹرسٹ" قائم کیا، اس موقع پر کیا کمی کی ہوگی۔

جو قوم مخالف نقطۂ نظر کو سننے اور اس پر ٹھنڈے دل و دماغ سے غور کرنے کی عادی نہ ہو وہ قومی زندگی میں ہمیشہ گھاٹے کا سودا کرتی ہے۔ برصغیر کے مسلمانوں کو اس کے تلخ تجربات بھی ہو چکے ہیں، لیکن افسوس کہ وہ ان سے سبق نہیں سیکھتے۔

دوسرا فائدہ اس کانفرنس سے بھٹو صاحب نے یہ اٹھایا کہ مشرقی پاکستان کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی یعنی بنگلہ دیش کو تسلیم کر لیا، اگر بنگلہ دیش کو اس وقت تسلیم نہیں کیا جاتا تو شیخ مجیب کے قتل کے بعد کم از کم فیڈریشن کی شکل تو بنتی، لیکن بھٹو صاحب ہر قیمت پر اور معصوم انسانوں کی لاشوں پر اقتدار کے بلا شرکت غیرے مالک بننا چاہتے تھے، **یہ تھی حقیقت بھٹو صاحب کے عالم اسلام کو متحد کرنے کی اور پھر جب ان کا اقتدار مستحکم ہو گیا تو انہوں نے عالم اسلام کا نام تک لینا چھوڑ دیا تھا، صرف "تیسری دنیا" کی اصطلاح استعمال کرتے رہے۔**

۱۲۔ جنگی قیدیوں کی رہائی: بھٹو صاحب کا یہ کارنامہ زبان زد عوام ہے کہ انہوں نے ایک لاکھ جنگی قیدیوں کو چھڑایا، اسے صحافت کی ناواقفیت پر محمول کیا جائے یا بد دیانتی پر کہ جنگی قیدیوں کے سلسلہ میں جنیوا قرار داد کی رو سے یہ مسلمہ اصول ہے کہ جنگ ختم ہوتے ہی ان کا تبادلہ ہونا چاہیئے، اسی اصول کے تحت عرب اسرائیل جنگ کے قیدی ۲۲ دن میں رہا ہوئے، دوسری جنگ عظیم ختم ہوتے ہی قیدیوں کا تبادلہ شروع ہوا، حال ہی میں چین اور ویتنام کی جنگ کے بعد قیدیوں کا تبادلہ شروع ہو رہا ہے اور پاکستان کے جنگی قیدی ۲۲ دن کے بجائے تین سال میں بعد از خرابیٔ بسیار رہا ہوئے، اس طویل قید نے ان کے اعصاب کو متاثر کیا، کئی اسیروں کا دماغی توازن جاتا رہا، اکثریت کام کے لائق نہ رہی اور اس کو ملازمت سے سبکدوش ہونا پڑا، ہندوستان میں پاکستانی جنگی قیدیوں کی طویل حراست بھٹو صاحب کے ایماء پر تھی، وہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ جنگی قیدی آ کر ان سربستہ رازوں کا انکشاف کریں جس سے ان کا آسن ڈانواں ڈول ہو جائے۔ یہ بات اب پایۂ ثبوت کو پہونچ چکی ہے کہ بھٹو صاحب نے قیدی رہا نہیں کئے بلکہ ان کی رہائی میں تاخیر کی کوشش کرتے رہے۔ یہ بات خلاف حقیقت ہے کہ وہ جنگی قیدی جنہیں بہرحال رہا ہونا تھا حکومت ہند کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے رہا نہیں ہو رہے تھے، حکومت ہند کی ایک لاکھ مہمانوں کی تین سال تک پذیرائی میں کون سی منفعت تھی؟ اگر بھٹو صاحب قیدیوں کی فوری رہائی میں مخلص تھے تو ان کے پاس ایک ترپ کا پتہ تھا، وہ تھے شیخ مجیب الرحمٰن، اگر بھٹو شیخ مجیب کی رہائی کو جنگی قیدیوں کی رہائی کے ساتھ مشروط کر دیتے تو پہلے ہی ہفتہ ان غریبوں کی رہائی ہو جاتی۔

۱۳۔ اقتصادی حالت: بھٹو صاحب کا یہ کارنامہ بھی گنایا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنے دور اقتدار میں پاکستان کو اقتصادی لحاظ سے بہت مستحکم کیا۔ یہ بات وہی شخص کہہ سکتا ہے جو اقتصادیات کی ابجد تک ناواقف ہو۔ بھٹو صاحب کے دور اقتدار میں پاکستان اقتصادی بدحالی کی انتہا کو پہونچ چکا تھا، اس کا سبب غلط منصوبہ بندی اور صنعتوں کو قومیا کر اس سے اپنے خویش و اقارب اور پیپلز پارٹی کے لوگوں کے لیے لوٹ کھسوٹ کی راہ ہموار کرنا تھا، بینک میں سونا موجود نہیں تھا اور کثرت سے کاغذی نوٹ چھپتے رہے، جس کے نتیجہ میں افراط زر عام ہو گیا تھا، لائلپور (موجودہ فیصل آباد) پاکستان کا مانچسٹر کہلاتا تھا یہاں کپڑے کی صنعت کا مارکیٹ پورا مشرق وسطیٰ اور مشرق بعید تھا، اس صنعت کو قومیا کر اصل مالکوں اور تجربہ کار لوگوں کو الگ کر کے پیپلز پارٹی کے ناتجربہ لوگوں کو ڈائرکٹر بنا کر اس صنعت کو تباہ کر دیا گیا، پاکستان کو زر مبادلہ دینے والی یہ صنعت خسارہ میں چلنے لگی اور کئی ملیں بند ہو گئیں۔ اب موجودہ حکومت نے ان بند ملوں کو جاری کیا، آٹا مل، چینی مل، کپڑا مل سب نیشنلائز کئے گئے، مقصد صنعتی ترقی نہیں تھا بلکہ اپنی پارٹی کے کارکنوں کو روزگار مہیا کرنا اور لکھپتی بنانا تھا، غیر ملکی زر مبادلہ کا ایک دوسرا ذریعہ وہ پاکستانی ملازمین تھے جو عرب ملکوں میں کام کرتے ہیں، یہاں سے بھی بھٹو صاحب نے اہلیت اور صلاحیت کے بجائے اپنے علاقہ اور پارٹی کے لوگوں کو ترجیح کی پالیسی اختیار کی، ناکارہ لوگ بھیجے جاتے، ملک کی بدنامی ہوتی اور متعلقہ حکومتیں انہیں واپس کر دیتیں۔

راقم سطور نے ۱۹۷۵ء میں سعودی عربیہ، کویت، متحدہ عرب امارات کے سفر کے دوران عربوں سے پاکستانیوں کی عام شکایت سنی کہ یہ اہلیت اور محنت دونوں سے عاری ہیں۔

۱۴۔ قادیانی مسئلہ: بھٹو صاحب کے دور حکومت میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے پروپیگنڈہ سے دیندار طبقہ بھی متاثر ہے اور اسے ان کے "حسنات" میں نمایاں درجہ دیا جا رہا ہے۔ ہماری صحافت کی ایک پڑوسی ملک کے حالات سے اس درجہ بے خبری سے عوام پر اس کا اعتماد کب تک قائم رہ سکتا ہے۔؟

قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی تاریخ یہ ہے کہ قیام پاکستان کے بعد

اس فرقہ نے جس تیز رفتاری سے حکومت میں اثر و نفوذ قائم کیا تھا، کلیدی محکموں پر قبضہ کرکے اپنی تبلیغی سرگرمیاں شروع کی تھی، اندرون ملک "ربوہ" نامی ایک متوازن حکومت قائم کی تھی، اس سے ملت کے سواد اعظم میں بڑی بے چینی پائی جاتی تھی، اندر ہی اندر یہ سلگتا ہوا آتش فشاں ۱۹۵۳ء میں پھٹ پڑا، قادیانیوں کے خلاف ملک گیر پیمانے پر ایجی ٹیشن شروع ہوا، جسے مارشل لا کے زور پر دبایا گیا، اس میں مولانا مودودی اور مولانا عبد الستار نیازی کو فوجی عدالت نے پھانسی کی سزا سنائی۔ قادیانی مسئلہ وقتی طور پر دب تو گیا، لیکن قادیانیوں سے معاشرے میں عام نفرت کی فضا بنی رہی، بھٹو صاحب کے دور میں اس مسئلہ نے پھر آگ کی طرح پورے ملک کو اپنی لپیٹ میں لے لیا، اس موقع پر بھی کھلی اشتعال انگیزی قادیانیوں نے کی، پنجاب یونیورسٹی کے طلبہ کا ایک گروپ پکنک کے لیے کہیں سفر کر رہا تھا، جب قادیانیوں کے مرکز ربوہ کے اسٹیشن پر ان کی ٹرین پہونچی تو ان پر قاتلانہ حملہ کیا گیا، چند طلبہ شہید ہوئے، کئی مجروح ہوئے، اس واقعہ نے خیبر سے کراچی تک عوام کو غم و غصہ سے بھر دیا ملک کی تمام سیاسی، سماجی اور دینی جماعتوں نے مولانا یوسف صاحب بنوریؒ کی صدارت میں مجلس تحفظ ختم نبوت قائم کی اور پورے ملک میں قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی زور دار مہم شروع کر دی، اس تحریک کی لپیٹ میں چونکہ بھٹو حکومت اور پیپلز پارٹی بھی آچکی تھی، لہٰذا مجبور ہو کر بھٹو صاحب نے اس مسئلہ پر اسمبلی میں بحث کی منظوری دی، ممبران کی اکثریت نے جب قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی تجویز منظور کی تو بھٹو صاحب کو اسے تسلیم کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں رہا، البتہ انہوں نے اس تجویز کے اصل نکات یعنی قادیانیوں کی کلیدی عہدوں سے معزولی، ان کی تعداد کی بنیاد پر ملازمتیں، انہیں اسلام کے نام پر تبلیغ سے ممانعت اور ربوہ شہر کو غیر قادیانیوں کے لیے بھی کھولنے کے مطالبات پر آخر تک عمل نہ ہونے دیا بلکہ در پردہ وہ قادیانیوں کی بھرپور ہمت افزائی کرتے رہے اور انہیں خوش رکھنے کے لیے ہر ممکن سہولت مہیا کرتے رہے۔

۱۵۔ بھٹو صاحب، جمہوریت اور اسلامی دستور

بھٹو صاحب کو جمہوریت کے احیاء کا علمبردار اور اسلامی دستور کے خالق کی حیثیت سے بہت سراہا جا رہا ہے، یہ ایسا مغالطہ اور بے بنیاد دعویٰ ہے کہ جس کی تردید ان کے سات سالہ دور اقتدار کا ایک ایک لمحہ کرتا ہے۔

بھٹو صاحب جن انتخابات کے نتیجہ میں عوام کی اکثریت کی نمائندگی کا دعویٰ کرتے رہے وہ انتخابات ۱۹۷۰ء میں ہوئے تھے جب پاکستان کے دو ٹکڑے نہیں ہوئے تھے، پاکستان قومی اسمبلی کی تین سو نشستوں میں سے ان کی پارٹی کو کل ۸۵ نشستیں مغربی پاکستان میں ملی تھیں، مشرقی پاکستان میں انہوں نے کوئی نمائندہ کھڑا نہیں کیا تھا، مغربی پاکستان میں واحد اکثریتی پارٹی کی حیثیت اگرچہ پیپلز پارٹی کو حاصل ہوئی لیکن اسے صرف ۳۲ فی صد ووٹ ملے۔ گویا بھٹو صاحب کی مخالفت میں ۶۸ فی صد رائے دہندگان نے ووٹ دیے، چونکہ یہ مخالف ووٹ کئی پارٹیوں میں تقسیم ہو گئے تھے لہٰذا اس کا فائدہ بھٹو صاحب کو پہونچا۔ مشرقی پاکستان کی علیحدگی کے بعد بچا کھچا پاکستان اب ایک مستقل ملک تھا، لہٰذا اس میں از سر نو انتخابات کرانا عین جمہوری تقاضا تھا، لیکن بھٹو صاحب جیسے جمہوریت نواز اس پر تیار نہیں ہوئے اور سیاسی تاریخ میں پہلے غیر فوجی مارشل لا ایڈمنسٹریٹر اور صدر کی حیثیت سے وہ اقتدار پر قابض ہو گئے۔

ایوب خاں کے زمانہ کا دستور کالعدم قرار دیا جا چکا تھا، اب جب نئے دستور کو بنانے کا سوال پیدا ہوا تو انہیں بڑی پیچیدگی کا سامنا کرنا پڑا۔ انہوں نے اپنے انتخابی منشور میں "اسلام ہمارا مذہب اور سوشلزم ہماری منزل" کا اعلان کیا تھا، روٹی، کپڑا اور مکان کا نعرہ لگایا تھا؛ دستور سازی میں سوشلزم ملک کے عوام کو کسی قیمت پر بھی گوارا نہیں تھا، پاکستان کا قیام اسلام کے نام پر عمل میں آیا تھا اور اس کے لیے مسلمانوں نے بے شمار قربانیاں دی تھیں، بھٹو صاحب دستور کو برائے نام اسلامی بنانے اور مملکت کا نام جمہوریہ اسلامیہ قرار دینے پر مجبور تو ہوئے، لیکن عملاً سات سال کی طویل مدت میں انہوں نے اسلام کی طرف ملک اور معاشرے کو لے جانے میں ایک انچ بھی پیش رفت نہیں کی۔ جسٹس حمود الرحمٰن کی صدارت میں اسلامی نظریاتی کونسل قائم کی اور اس کی سفارشات کو سرد خانہ میں ڈال دیا اور پورے منصوبے سے ملک اور معاشرے کا تعلق اسلام سے کمزور کرنے کے پروگرام پر عمل پیرا رہے، ریڈیو، ٹی۔ وی، صحافت اور کمیونسٹ اہل قلم کے ذریعہ انہوں نے اسلامی اور اخلاقی قدروں کو پامال کیا، فسق و فحاشی کو سرکاری سرپرستی میں عام کیا، کراچی میں ایشیا کا سب سے بڑا جوا خانہ اور قحبہ خانہ زیر تعمیر تھا، بھٹو صاحب نے اعلان کیا تھا کہ بیروت کے اجڑنے کے بعد ہم کراچی کو بیروت بنانا چاہتے ہیں تاکہ بیرونی سیاح ہمارے زر مبادلہ میں اضافہ کریں۔ اسلامی دستور اور نظام شریعت کی راہ پر یہ معکوس گامزنی اور خود سربراہ مملکت کا یہ عالم کہ عام جلسے میں اس کا اعلان کہ "بہت تھک جاتا ہوں تو تھوڑی سی پی لیتا ہوں" دین سے انکی واقفیت کا یہ عالم تھا کہ مخالف پارٹیوں کے رہنماؤں نے جلسۂ عام میں انہیں بار بار یہ چیلنج کیا کہ جمہوریہ اسلامیہ کے یہ سربراہ صرف نماز کا سبق سنا دیں تو ہم مخالفت سے دستبردار ہو جائیں گے۔

اسلام اور اسلامی قدروں سے بھٹو صاحب کے بُعد و عناد کا سلسلہ پھانسی کے پھندے تک جاری رہا، ان کے ایک ساتھی عبد الحفیظ پیرزادہ نے ان سے ملاقات کرنے کے بعد یہ بیان دیا کہ وہ جیل میں نمازیں پڑھ رہے ہیں تو بھٹو صاحب کو بہت ناگوار گذرا، انہوں نے جیل سپرنٹنڈنٹ محمد یار خان کو بلا کر یہ ہدایت کی کہ "اس کی تردید کی جائے کہ میں جیل میں نمازیں پڑھ رہا ہوں، لوگ اس سے یہ تاثر لیں گے کہ میرے اعصاب متاثر ہو گئے ہیں" جب عین پھانسی کے چند گھنٹے پہلے انہوں نے شیو کا سامان مانگا تو ان سے کہا گیا کہ "تھوڑی دیر بعد آپ کو پھانسی دی جائے گی اب شیو بنا کر کیا کیجئے گا؟" تو انہوں نے برہمی سے جواب دیا کہ "میں مولوی کی موت مرنا نہیں چاہتا مجھے داڑھی کا شیو کرنے دیا جائے"۔

اس اخباری پروپیگنڈہ اور بی۔ بی۔ سی کی اڑائی ہوئی گپ کی کوئی حقیقت نہیں کہ بھٹو نے آخری وقت یہ جملہ کہا تھا کہ "خدا میری مدد فرمائیں بے گناہ ہوں"، جیل میں موجود لوگوں نے اسکی تردید کی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے سامنے اظہار بندگی اور اس کی عبادت سے جس شخص کی انا کو ٹھیس پہونچتی ہو اور جو داڑھی کو سنت رسولؐ کی بجائے مولوی کا شعار کہہ کر نفرت کرتا ہو وہ اسلامی دستور کے نفاذ میں کہاں تک مخلص ہو سکتا ہے؟ رہا جمہوریت کے قیام کا مسئلہ تو بھٹو صاحب کے سات سالہ دور حکومت میں پورا ملک جیل خانہ بن چکا تھا، مستقل دفعہ ۱۴۴ کے نفاذ سے حزب مخالف کو کوئی جلسہ نہیں کرنے دیا جاتا تھا، اپنے سیاسی مخالفین اور ان کے اعزہ کا اغوا اور قتل شب و روز کا تماشہ تھا، غنڈوں کو کھلی چھوٹ تھی اور شرفاء کا ناطقہ بند تھا، ملک کی دولت اور بیرونی امداد کا بڑا حصہ اپنی شخصیت کو اجاگر کرنے اور اپنے خود ساختہ اور درآمد کردہ نظریات کے پرچار پر صرف کیا جاتا تھا، ریڈیو اور ٹی۔ وی

> ہندوستان کے مسلمان تقسیم ہند کے الزام کی سزا آج تک بھگت رہے ہیں، جمشید پور کا حالیہ فساد اسی ابتلاء اور آزمائش کی ایک کڑی ہے۔ مسلمانوں کی اکثریت نے تقسیم ہند کی تائید بھی کی تو صرف اس جذبہ سے کہ وہاں اسلامی شریعت کا نفاذ ہوگا اور دنیا کے نقشہ پر ایک مثالی اسلامی فلاحی ریاست قائم ہوگی۔ یہ خواب تیس سال بعد جس مخلص کے ہاتھوں شرمندۂ تعبیر ہو رہا ہے، اسی جنرل ضیاء الحق کو گالیاں دی جا رہی ہیں۔ ع
>
> برایں عقل و دانش بباید گریست

صرف ایک شخصیت اور اس کی پارٹی کے غلام بن کر رہ گئے تھے، مخالف اخبارات پر مستقل پابندی تھی اور حزب اختلاف کو ایسا کچل دیا گیا تھا کہ کوئی سر نہ اٹھا سکے ان تمام انتظامات کے بعد مارچ ۱۹۷۷ء میں انتخابات کا جب اعلان ہوا تو تمام مخالف جماعتیں باہمی اختلافات کو بھلا کر متحد ہو گئیں، بھٹو صاحب کو اس کا وہم و گمان بھی نہ تھا، سی۔ آئی۔ ڈی رپورٹ نے بھی بھٹو صاحب کے گمان کی تائید کر دی تھی، پڑھے لکھے ہوئے اور پسے ہوئے لوگوں نے پاکستان قومی اتحاد کو ہاتھوں ہاتھ لیا اس کی مقبولیت سے بوکھلا کر الیکشن میں انتظامیہ کی ملی بھگت سے وہ دھاندلیاں کی گئیں کہ پورا پاکستان چیخ اٹھا اور خیبر سے کراچی تک مخالفت کا ایسا طوفان اٹھا جسے بھٹو صاحب فوج اور مارشل لا کے ذریعہ بھی دبانے میں ناکام رہے، اس طوفانی مخالفت کے باوجود بھٹو صاحب کی "جمہوریت نوازی" نے یہ گوارا نہیں کیا کہ وہ حزب اختلاف سے مصالحت اور عوام کے جذبات کی رعایت کی مخلصانہ کوشش کریں، عوامی نمائندگی اور جمہوریت کے دعویدار کو تو ایسے حالات میں جب پورے ملک میں ان کے خلاف عوام سر سے کفن باندھ کر میدان میں آگئے تھے حکومت سے دستبردار ہو جانا چاہیے تھا، اس کے برعکس انہوں نے پیپلز پارٹی کو ناجائز اسلحہ فراہم کیا، غنڈوں کو منظم کیا تاکہ پورے ملک میں خانہ جنگی برپا ہو جائے، اس کا بھی ثبوت ملا ہے کہ انہوں نے اپنی کرسی بچانے کے لیے بعض پڑوسی ملکوں کو سرحد پر اپنی فوجیں بھیجنے کی درخواست کی تھی۔ یہ وہ حالات تھے کہ جس میں فوج نے ۵ر جولائی ۱۹۷۷ء کو مداخلت کرکے بھٹو صاحب کو اقتدار سے بے دخل کر دیا۔

۱۶۔ کسی ایک جماعت یا ایک طبقہ کے سر سہرا نہیں:

پاکستان میں نظام مصطفےٰ کے قیام اور بھٹو صاحب کی آمریت کے خلاف جو مہم چلی تھی اس میں اس ملک کے تمام طبقے اور مکاتب خیال کے عوام و خواص شامل تھے، کالج یونیورسٹیوں کے طلبہ اور اساتذہ، ادیب اور دانشور، خواتین، دیوبندی، بریلوی اور اہل حدیث مکتب خیال کے علماء اور عوام، جماعت اسلامی، تحریک استقلال، جمہوری پارٹی، یہ ایسی مہم تھی جس میں مولانا مفتی محمود جیسے دیوبندی اور مولانا شاہ احمد نورانی جیسے بریلوی سے لے کر حنیف رامے جیسے ترقی پسند تک شامل تھے، ایسی صورت میں . . . . اپنے غم و غصہ کا نشانہ صرف جماعت اسلامی یا مولویوں کو بنانا کہاں تک قرین عقل و انصاف ہے؟

بھٹو صاحب کے مقدمہ کے سلسلہ میں جنرل ضیاء سے لے کر پاکستان کے تمام عناصر قطعاً ملوث نہیں ہیں، یہ خالص عدلیہ کا معاملہ تھا، کھلی عدالت میں ان کے مقدمہ کی سماعت ہوئی جو انہی کے دور اقتدار میں احمد رضا قصوری نے لاہور ہائیکورٹ میں دائر کیا تھا، اس مقدمہ میں جو عرصۂ دراز تک چلتا رہا قانون کے تمام تقاضے پورے کئے گئے، دنیا کے ماہر قانون دانوں کی اکثریت نے اس سماعت کو سراہا، یہ تو ایک غیر سیاسی فوجداری مقدمہ تھا، اگر بھٹو صاحب رہا بھی ہو جاتے تو ان پر مزید اس سے بھی بھیانک اٹھارہ الزامات تھے، پاکستان کا عدلیہ جو اپنی غیر جانبداری میں معروف ہے اس کے فیصلہ کے خلاف ہنگامہ آرائی کرنے والوں کو پاکستان کے ایک ماہر قانون اے کے بروہی نے حقیقت پر مبنی جواب دیا ہے کہ، "افغانستان میں صرف ایک شب میں صدر داؤد اور ان کے ۵۴ افراد خاندان اور دس ہزار انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا، ایران میں سرسری سماعت کی عدالتوں میں روزانہ موت کی سزائیں دی جا رہی ہیں، ہمارا قصور صرف یہ ہے کہ ہم نے قانون کے تمام تقاضے پورے کیے اور عرصۂ دراز تک مجرموں کو صفائی کا موقع دیا"۔

۱۷۔ ایک مغالطہ:

ہندوستانی اخبارات نے عوام میں یہ غلط فہمی بھی پھیلا رکھی ہے کہ بھٹو صاحب کے مقدمہ کا فیصلہ شرعی قوانین کے تحت نہیں ہوا۔ بعض فتاوے شائع کیے جا رہے ہیں کہ وعدہ معاف گواہ کی شریعت اسلامی میں کوئی حیثیت نہیں، مدیران جرائد اور مفتیان کرام سے عرض ہے کہ پاکستان میں وہاں کے حکمراں طبقہ نے جس میں بھٹو صاحب بھی شامل ہیں، شریعت اسلامی کا عملاً نفاذ کب کیا تھا؟ عدالتیں سول اور فوجداری قوانین میں انہی تعزیرات کی پابند تھیں، جو

> متاعِ دین و دانش لٹ گئی اللہ والوں کی
> یہ کس کافر ادا کا غمزۂ خوں ریز ہے ساقی
>
> (اقبالؒ)

انگریزوں کا ورثہ اور وہاں کی عدالتوں میں رائج ہیں۔ مروجہ قوانین سے ہٹ کر کسی ملک کی عدلیہ دوسرے قانون پر کس طرح عمل کر سکتی تھی؟ اب اسلامی شریعت کے نفاذ کا اعلان ہوا ہے، ہنوز دیوانی اور فوجداری قوانین کو اسلامی شریعت کے سانچے میں ڈھلنا ہے، اس کام کا باقاعدہ آغاز جولائی ۱۹۷۹ء سے ہوگا، ایسی بدیہی حقیقت سے جان بوجھ کر صرف نظر کرنے والے عوام کو گمراہ کر رہے ہیں، معلوم ہوتا ہے اس مسئلہ میں ایک سازش کے تحت کجی کی راہ اپنائی جا رہی ہے اور ہٹلر کی اس پالیسی کو اختیار کیا جا رہا ہے کہ جھوٹ اس کثرت سے بولو کہ سننے والے کو سچ کا یقین ہونے لگے۔

۱۸۔ حرفِ آخر:

پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ، ایران میں اسلامی انقلاب اور عالم اسلام پر اس کے دور رس نتائج سے بوکھلا کر روس، امریکہ، اسرائیل اور تمام اسلام مخالف طاقتیں دنیا کے مختلف ممالک میں اسلام مخالف لابی تیار کر رہی ہیں، ان کی سازشوں کا شکار مسلمان بھی ہو رہے ہیں، عالم اسلام کے مخلص ترین بزرگ اس بات کی ہدایت کرتے ہیں کہ جو لوگ خلوص سے اسلام کو غالب کرنے میں کوشاں ہیں (ان میں سر فہرست جنرل ضیاء الحق صاحب کا نام لیا جاتا ہے) ان کی کامیابی اور حفاظت کے لیے دعاؤں کا اہتمام کیا جائے، لیکن بد توفیقی دیکھیے کہ مسلمانوں کا ایک طبقہ ان پر سب و شتم، بہتان اور جھوٹے الزامات کی بوچھار کر رہا ہے۔

کوئی شخصیت چاہے وہ کتنی ہی معروف و مشہور ہو خدا تعالیٰ کی مقدس کتاب سے بڑھ کر محترم نہیں ہو سکتی، بھٹو صاحب کی محبت و عقیدت کے اندھے مظاہروں میں قرآن مجید کی بے حرمتی، مسجدوں اور دینی کتابوں کو نذر آتش کرنے کے واقعات خود مسلمانوں کے ہاتھوں اس کثرت سے ہوئے ہیں کہ اس کا وبال خدانخواستہ پوری ملت پر نہ پڑے۔ بے گناہوں کا قتل، مال و املاک کی بربادی، دین کی بے حرمتی اور خواتین کی آبروریزی، ایک ایسے مسئلہ میں جس کا دور دور تک ہماری قومی زندگی سے کوئی تعلق اور واسطہ نہیں تھا، ہماری بے دانشی، بے شعوری اور غلط جذباتیت کے وہ الم ناک مظاہر ہیں جن کی اصلاح کی تدبیر ہر اس شخص پر فرض ہے جس کے دل میں ذرہ بھر ایمان کی رمق اور انسانیت کا درد ہے۔

خدا کرے کہ ہماری یہ آواز صدا بصحرا نہ ثابت ہو اور ہر طبقہ اور ہر مکتب خیال کے خواص اور عوام اس پر سنجیدگی سے غور کر کے کوئی لائحہ عمل اور ضابطۂ اخلاق بنائیں ؎

> جب تک نہ زندگی کے حقائق پہ ہو نظر
> تیرا زجاج ہو نہ سکے گا حریفِ سنگ

انگریزی اس مُجرم قوم کی زبان ہے جس کی گردن پر نہ جانے کتنی حریتوں، کتنی تہذیبوں اور اخلاقی ترقیوں کا خون ہے

عالم عربی میں انگریزی سے اس درجہ وابستگی باعث مسرّت نہیں

مدرسہ الصدیق الاسلامیہ "دوبئی" میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی تقریر

(حضرت مولانا سید ابو الحسن علی الحسنی الندوی مدظلہ، حکومت الامارات العربیۃ المتحدہ کی دعوت پر ابوظبی تشریف لائے تھے۔ ۲۵ صفر ۱۳۹۹ھ (۲۵ جنوری ۱۹۷۹ء) کو آپ نے سرپرست کی حیثیت سے مدرسۃ الصدیق الاسلامیہ دبی کا معائنہ فرمایا اور حاضرین و مسلمات سے خطاب فرمایا جو درج ذیل ہے)

الحمد للہ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و نؤمن بہ و نتوکل علیہ و نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا من یہدہ اللہ فلا مضل لہ و من یضللہ فلا ھادی لہ و نشہد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ و نشہد ان سیدنا و مولانا محمداً عبدہ و رسولہ۔

سب سے پہلے میں اپنی مسرت کا اظہار کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے بچوں کے کلاس دیکھے ان سے نظمیں سنیں، ان کو سلام کیا، ان سے سلام کا جواب سنا، ان کو انگریزی میں اشعار پڑھتے اور اللہ اور رسولؐ کی تعریف کرتے سُنا۔

انگریزی مقبول زبان ہے، اقبال مند زبان ہے، سیاسی غلبہ ختم ہونے کے باوجود چھائی ہوئی ہے اور پھیل رہی ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وقت نے اس کے حق میں فیصلہ دے دیا ہے اور اب اس فیصلے کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اس اعتبار سے بچوں نے جو کچھ سیکھا ہے وہ معقول ہے اور یہ اسکول بھی اس سلسلے کی قابل لحاظ کوشش ہے اور بڑی خدمت ہے۔

لیکن ـــ میں اپنے ضمیر کے ساتھ بے انصافی کروں گا اگر اپنے احساس کا اظہار نہ کر دوں، اس درد کو بیان نہ کر دوں جسے میرے دل نے محسوس کیا ہے۔ اگر اسے بیان نہ کروں گا تو ادائے فرض میں یہ ایک کوتاہی ہوگی اور میرے دل پر ایک بوجھ رہ جائے گا کہ جو بات کہنے کی تھی وہ نہیں کہی گئی اور خیر خواہی کا تقاضا نہ پورا ہوا اور مجھے اس مدرسے سے جو محبت ہے اس کا حق نہ ادا ہوا۔ وہ احساس اور وہ بات یہ ہے کہ مجھے کہیں زیادہ خوشی ہوتی، حقیقی اور روحانی خوشی ہوتی اگر میں اس اسکول کے بچوں کے منہ سے عربی سنتا، بچوں کو پڑھانے والے اور یہاں کا عملہ سب عربی بول رہے ہوتے اور عربی یہاں کی واحد زبان ہوتی، وہی میڈیم ہوتی کیونکہ وہی قرآن کی زبان ہے اور وہی عربوں کی زبان ہے۔

مجھے انگریزی سے کوئی نفرت نہیں ہے

میں انگریزی جانتا ہوں اور اس میں لکھتا پڑھتا ہوں اور اسکول کی افادیت اور اہمیت سے بھی مجھے انکار نہیں ہے لیکن یہ دیکھ کر بہت دکھ ہوتا ہے کہ ایک عرب ملک میں بھی لوگ یہ چاہیں کہ انگریزی کو سب سے اونچا مقام دیا جائے اور عرب بھی انگریزی کی اقبال مندی سے مرعوب ہوں بلکہ برطانوی حکومت کے چلے جانے کے بعد یہ شوق اور بڑھ گیا ہو۔ حتیٰ کہ دینی مزاج رکھنے والے بھی یہی پسند کریں کہ بجائے اللہ کا عربی نام لینے کی جگہ گاڈ (GOD) اور پرافیٹ (PROPHET) کہے اور پڑھے۔ یہ رویہ عام ہونے کی وجہ سے یہ ضرورت بجا طور پر محسوس کی گئی اور سوچا گیا کہ اس زہر کا تریاق فراہم کیا جائے اور انگریزی میں اسلام کو پیش کیا جائے تاکہ انگریزی سے مرعوب ہونے والے جدید تہذیب سے مرعوب نہ ہوں اور اسلام سے نا آشنا نہ رہیں۔ بے شک یہ کام ضروری تھا اور یہ سب معقول باتیں ہیں لیکن میں اپنی قلبی تکلیف کو کیسے چھپاؤں اور اپنی روح کی آواز کو کیسے دباؤں؟

انگریزی سے مسلمانوں کی اتنی دلچسپی دیکھ کر جتنا صدمہ ہو کم ہے۔ انگریزی اس مجرم قوم کی زبان ہے جس نے ماضی قریب کی تاریخ میں ایک تخریبی کردار ادا کیا ہے، اس نے لاکھوں آزاد انسانوں کو غلام بنایا، لاکھوں کے اخلاق و کردار کو خراب کیا اور اسی کی وجہ سے دنیا کو دو عالم گیر و جہاں سوز جنگوں سے گذرنا پڑا۔ کتنی حریتوں، کتنی تہذیبوں کا اور کتنی اخلاقی و روحانی ترقیوں کا خون ہے انگریزی زبان کی گردن پر لیکن ہم ہیں کہ اب بھی اسی کو گلے لگائے ہوئے ہیں اور اسی کو اپنے درد کا درماں سمجھتے ہیں۔

اور ذرا مجھے یہ بتایئے کہ عربوں کو انگریزی کی کیا ضرورت ہے اور عرب ممالک میں انگریزی کی برتری کیا معنی؟ اگر آج عرب اپنی قیمت اور طاقت پہچان لیں اور اس کا استعمال شروع کر دیں تو پوری دنیا ان کے اشارے پر چلے گی۔ جلالۃ الملک فیصل مرحوم نے پٹرول کے سلسلے میں ایک وقتی پالیسی اختیار کی تھی تو بڑی بڑی طاقتوں کے ہوش اڑ گئے تھے۔ بھلا ان عربوں کو زندگی کے کس کام کے لیے انگریزی کی ضرورت درپیش ہے؟ ہندوستان میں جہاں معاشی ضروریات کے لیے مسلمانوں نے انگریزی پڑھی وہاں اسے پڑھنے کی معقول وجہ تھی۔ علماء پر الزام لگایا گیا ہے کہ وہ انگریزی پڑھنا حرام قرار دیتے تھے اور انگریزی بولنے کے بعد وضو کا حکم دیتے تھے۔ یہ الزام غلط ہیں اور اب غلط ثابت ہو چکے ہیں۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کا فتویٰ روشنی میں آگیا ہے اور اب ہر اہل علم کو معلوم ہو گیا ہے کہ علماء انگریزی کے مخالف نہ تھے۔ مگر میں پوچھتا ہوں کہ ہندوستان میں تو خیر یہ ایک ضرورت تھی، عربوں کی اس میں کیا محتاجی ہے! عربوں کے ہاتھ میں تو جدید دنیا کی ترقی کا وسیلہ اس کی کنجی ہے۔ دنیا میں بہت سی زبانیں ہیں جو ہم نہیں جانتے۔ اٹلی کی زبان ہم نہیں جانتے، فرانسیسی، ہالینڈ اور جرمنی کی زبان ہم نہیں جانتے۔ اس سے کیا فرق پڑتا اور کیا نقصان ہو جاتا ہے؟ زبان جاننے سے کہیں زیادہ اہمیت اس کی ہے کہ آپ کے سوچنے کا ڈھنگ کیا ہے، آپ کے اخلاق و معاملات کیسے ہیں؟ آپ کا سماجی اور سیاسی ڈھانچا کیسا ہے، آپ کی بات میں وزن کتنا ہے، آپ میں بے باکی، ہمت اور استقامت کتنی ہے؟

مجھے تو اس وقت مسرت ہوتی جب میں لندن میں، فلاڈلفیا میں، امریکہ اور یورپ کے ملکوں میں دیکھتا کہ وہاں کے مدرسوں میں عربی پڑھائی جا رہی ہے۔ بلکہ میں دعا کرتا ہوں، آپ سب آمین کہیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اس وقت تک نہ اٹھائے جب تک میں اپنی آنکھ سے وہاں کے اسکولوں میں انگریز اور امریکی بچوں کو عربی پڑھتے نہ دیکھ لوں۔

آخر امریکہ میں یہودیوں نے اپنی قوت کو محسوس کرا دیا ہے، انہوں نے اپنی زبان کی اہمیت منوالی ہے، اپنی تہذیب کی اہمیت منوالی ہے حد یہ ہے کہ یہودیوں کے اس مطالبے کو ماننا پڑا کہ سنیچر کو چھٹی ہونا چاہیے کیونکہ سنیچر ان کا مذہبی دن، یعنی یہودیوں کا Sabbath ہے چنانچہ اب وہاں سنیچر اور اتوار دو روز کی چھٹی ہوتی ہے پھر عرب چاہیں تو ایسا کیوں نہیں کر سکتے کہ غیر عرب دنیا عربی کو اپنائے اور اس کو سیکھے۔

عربی ہماری تہذیب اور ہمارے دین کی زبان ہے۔ میں اور خوش ہوتا اگر دیکھتا کہ امارات میں آنے والا ہر ہندوستانی و پاکستانی اور غیر ملکی مسافر عربی بولتا، ہم آپ سب عربوں ہی سے عربی نہ بولتے، آپس میں بھی عربی بولتے۔ میں ہندوستان کے اس مقام کا رہنے والا ہوں جسے اردو زبان کے ایک مرکز کی حیثیت حاصل ہے۔ اردو میری مادری زبان ہے اور مجھے اس سے بہت محبت ہے۔ اس زبان میں بڑی شیرینی اور لطافت ہے اور اس نے ہندوستان میں دینی علوم اور اسلامی تہذیب کی بڑی خدمت کی ہے لیکن میں اپنی مادری زبان کو عربی پر قربان کرنے کے لیے تیار ہوں اور ہنسی خوشی تیار ہوں۔ ہم سے اردو لے لو، ہم کو عربی دے دو۔ ہم اس سودے کو بڑے نفع کا سودا سمجھتے ہیں۔"

حضرت مولانا کے مندرجہ بالا کلمات کے بعد جناب صدیق محمد جعفری چیرمین الصدیق اسلامک مشن (و چیرمین الصدیق اسلامک انگلش سکول) نے حضرت مولانا کا شکریہ ادا کیا اور انہیں یقین دلاتے ہوئے فرمایا کہ ہمارے منصوبے میں عربی میڈیم کے دینی مدرسے کا قیام شامل ہے اور ہم حضرت مولانا کی اس دعا پر بار بار آمین کہتے ہیں اور خود بھی یہ دعا کرتے ہیں کہ وہ یورپ و امریکہ میں اپنی آنکھ سے ایسے مدارس دیکھ لیں جن میں ان ممالک کے بچے عربی تعلیم حاصل کر رہے ہوں۔"

محترم جعفری صاحب کا یہ جملہ سن کر حضرت مولانا نے ارشاد فرمایا کہ،

"ایسا مدرسہ آپ قائم کریں
اور یہ کام مغربی ممالک میں آپ
جیسے اصحاب کے ہاتھوں شروع
ہو۔"

چیرمین صاحب نے "انشاء اللہ" کہہ کر وعدہ فرمایا کہ وہ اسے اپنے مشن میں شامل رکھیں گے۔

پروگرام حضرت مولانا کی دعا پر ختم ہوا۔ اس دعا میں نصرت دین محمدی، ترویج علم دین اور رحمت و مغفرت سے متعلق مسنون و ماثور دعائیں شامل تھیں۔

ـــ ـــ ـــ ـــ

ایک دلخراش واقعہ

کشمیر میں گذشتہ فسادات کے دوران کس قدر دل خراش واقعات رونما ہوئے اور مسلمانوں نے مسلمانوں کو غارت و ہلاک کرنے کے لیے کیا کچھ کیا اس کا اظہار کرنے سے انگلیاں فگار اور خامہ خونچکاں ہے۔ ملنگ پورہ میں ایک شخص کو ہلاک کرنے اور اس کے مکان کو نذر آتش کرنے کے لیے چند لفنگے پہنچ گئے تو اس شخص نے ہاتھ جوڑ کر منت و زاری کی کہ مجھے بچاؤ! لیکن مجمع میں سے چند مشتعل بدستور اسے ختم کرنے پر زور دیتے رہے۔ مثلاً اس شخص نے مشتعل ہجوم سے زور دے کر کہا، دوستو! ذرا صبر کرو! میں اسلامیات کی سب کتابیں آپ کو لا دوں گا۔ اس نے اندر جا کر فوری طور پر قرآن مجید اور بخاری شریف کے چند پارے لا کر مجمع کے حوالے کئے، مجمع نے پورے جوش سے ان مقدس کتب کو لے کر دریا نذر آتش کر دیا۔ اور واپس چلا گیا، اس طرح اس شخص کی جان بچ گئی۔"

روزنامہ "روشنی"
سری نگر ۱۷ اپریل ۱۹۷۹ء

بقیہ صفحہ ۴۳: مراسلات

پھر ۲ بجے یہ عظیم الشان پر امن خاموش جلوس سڑک پر آگیا، جلوس کے آگے جیپ دوڑ رہی تھی جس پر مائک لگا ہوا تھا شاہ صاحب جیپ پر بیٹھے بیٹھے لوگوں سے پرسکون ہو کر دھیرے دھیرے چلنے کی تلقین کر رہے تھے۔ آگے آگے جناب مولانا غلام حسین صاحب، مولانا رضا احمد انصاری صاحب، ڈاکٹر ادریس صاحب ارشاد نبی ایڈوکیٹ، حسن امام قریشی، جرار احمد شہاب وغیرہم جلوس کی قیادت کر رہے تھے۔ خاموش پر امن جلوس سے رعب و دبدبہ اور شاہانہ وقار ٹپک رہا تھا۔ جلوس شاہراہوں پر رواں دواں تھا، دھیرے دھیرے جلوس آگے بڑھتا رہا، شہر کی دکانیں بند تھیں۔ تاتارپور، جبار چک، حسین پور، اور حسین آباد شکر اللہ چک کے لوگ آ آ کر جلوس میں شامل ہوتے گئے، سبھوں کے سروں پر ٹوپیاں تھیں ـــ تاتار پور، بھاگلپور اسٹیشن چوک، منڈی چک، گھنٹہ گھر ہوتے ہوئے جلوس آگے بڑھتا رہا، بھیکن پور، برہ پورہ، لودھی پور کے لوگ جلوس کی شکل میں آ آ کر ملتے رہے، ہر طرف انسانوں کا ہجوم دکھائی پڑتا تھا۔ اس طرح یہ عظیم الشان تاریخی جلوس بھاگلپور کورٹ پہونچا، نمائندہ وفد نے کمشنر و کلکٹر صاحبان سے مل کر میمورنڈم پیش کیا، ہر دو اعلیٰ افسران نے یہ یقین دلایا کہ اس کو ذمہ داران حکومت تک ضرور پہونچا دیا جائے گا۔

وفد میں مولانا سید شاہ شرف عالم ندوی، مولانا غلام حسین صاحب، مولانا رضا احمد انصاری، ڈاکٹر ادریس صاحب، حسن امام صاحب، ارشاد نبی ایڈوکیٹ وغیرہ شامل تھے۔ کمشنر صاحب کی کوٹھی کے پاس جیپ کی چھت پر کھڑے ہو کر شاہ صاحب نے دعا کیا اور لوگوں سے اپیل کی کہ جس طرح آپ حضرات پرسکون ہو کر یہاں تک آئے ہیں اسی طرح آپ حضرات اطمینان و سکون کے ساتھ اپنے اپنے گھروں کو لوٹ جائیں۔ میمورنڈم بذریعہ رجسٹری صدر جمہوریہ ہند، وزیر اعظم ہند وزیر قانون، اسپیکر لوک سبھا، چیرمین راجیہ سبھا، چیرمین اقلیتی کمیشن، صدر جنتا پارٹی، صدر کانگریس آئی، حزب اختلاف کے لیڈران و وزیر اعلیٰ بہار یوپی، جنرل آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ اور جنرل سکریٹری جمعیۃ علماء ہند کو روانہ کیا گیا۔ اس تاریخی جلوس میں تقریباً ایک لاکھ افراد شریک ہوئے اور سرزمین شہر بھاگلپور پر یہ پہلا شاندار بے مثال جلوس تھا جس کا گہرا دیرپا اثر پڑا۔

(جرار احمد شہاب)

بقیہ صفحہ ۱۳: سقوط اوغادین کے بعد . .

مفادات کو غیر ملک سے وابستہ کر سکے بجائے جس ملک سے مستفید ہو رہے ہیں ہو نہ دیں اس کا کوئی اثر نہ ہوا اور مجبوراً امین کو وہ تاریخ ساز قدم اٹھانا پڑا جس سے بڑھ کر برطانیہ کی ذلت نہیں ہو سکتی تھی۔ یوگنڈا کی مجموعی آبادی میں مسلمانوں کی تعداد ۶ء۵ ملین ۵۵ فی صد ہے اور مسلم ہونے کے ناطے امین نے اسلامی ملکوں سے تعلقات اسی لیے استوار کئے تھے اور توقعات بھی تھیں کہ آزمائش کے وقت یہ ممالک انکا دفاع کریں گے مگر اس موقع پر اسلامی ملکوں کی جانب سے دفاع کرنا تو دور ہمدردی کے الفاظ تک نہ نکل سکے، مصر اسرائیل کے ساتھ معاہدۂ السلام، ایران، اسلامی نظام حکومت کے اجراء کے سلسلہ میں طرح طرح سپریم کمان، ملک کے مایۂ ناز افراد جن کا جرم صرف یہ تھا کہ وہ شاہ کی حکومت میں کسی نہ کسی اعلیٰ عہدہ پر فائز تھے، گولیوں سے اڑانے سے فرصت نہ مل سکی اور ایک باوقار اسلامی مملکت جس کا سربراہ باشجاع اور سامراجیوں اور اسلام دشمن طاقتوں کا حریف تھا سقوط سے نہ بچا سکیں، اس موقع پر بڑے افسوس کے ساتھ یہ لکھنا پڑ رہا ہے کہ دنیا کے امن پسند ادارے اور تنظیموں نے نہ جنگ بندی کی اپیل کی اور نہ ہی سلامتی کونسل نے اس پر بحث کی برخلاف اس کے کہ یہ مقدمہ سلامتی کونسل میں پیش ہونے کے بعد بھی ملتوی ہو گیا تاکہ عیسائیوں کو اپنے عزائم پورے کرنے کا موقع فراہم کر دیا جائے، افریقی ممالک کی تنظیم بھی اس موقع پر تماشہ دیکھتی رہی اور ایک لفظ بھی تنزانیا کے خلاف اپنے زبان سے ادا کرنے سے قاصر رہی گویا یہ سب تنظیمیں مارشل امین کے زوال کا منتظر تھیں تاکہ یوگنڈا میں اسلامی نشاۃ کو روکا جا سکے اور اس کا اندازہ اس واقعہ سے بخوبی لگا جا سکتا ہے کہ موجودہ نئی حکومت نے آتے ہی امین کے دور حکومت میں جاری کردہ اسلامی احکامات کو منسوخ کرنے کا اعلان کر دیا اور جمعہ کی تعطیل جو سابق صدر کے دور حکومت میں ہوئی تھی منسوخ کر دی گئی۔

مارشل عیدی امین ۲۵ جنوری ۱۹۷۱ء میں ملٹن اوبوٹے کو اقتدار سے محروم کر کے عنان حکومت لی تھی اور سقوط کمپالا تک وہ صدر رہے۔ یوگنڈا کے موجودہ حالات اور خود جنرل امین کی استقامت پسند طبیعت سے اسکا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ ملک کو آخری وقت تک نہیں چھوڑیں گے اسی وقت بھی ملک کا بیشتر حصہ انکے وفاداروں کے قبضہ میں ہے۔ وہ ملک میں رہ کر برسر اقتدار حکومت کو اطمینان سے نہ رہنے دیں گے جس طرح تنزانیا کی فوجیں زنجبار پر قبضہ کر کے اطمینان و سکون سے رہ رہی ہیں۔

اس عاشقی میں عزتِ سادات بھی گئی

محمد الحسنی، مدیر "البعث الاسلامی"

مصر اور اسرائیل کا حالیہ معاہدۂ امن عالم اسلام کے لیے ایک صدمہ اور سانحہ سے کم نہیں۔ قومی بے عزتی یا سیاسی بے حرمتی، بنیادی اصولوں سے روگردانی اور اسرائیل و امریکہ کی بے اعتباری کے علاوہ اس کا جو پہلو سب سے اہم ہے۔ اور جس کی طرف بہت کم توجہ دی گئی ہے۔ وہ اس معاہدہ یا صلح نامہ کا اسلامی، اخلاقی اور تعلیمی و تربیتی پہلو ہے۔

جہاں تک اصولی طور پر معاہدہ کے جواز اور عدم جواز یا صحت و عدم صحت کا تعلق ہے۔ قرآن مجید کی دو آیتیں اس باب میں بالکل کافی اور قول فیصل ہیں۔

یا ایھا الذین آمنوا لاتتخذوا الیھود والنصاریٰ اولیاء بعضھم اولیاء بعض ومن یتولھم منکم فانہ منھم۔ (مائدہ - ۵۱)

(اے ایمان والو۔ یہود و نصاریٰ کو دوست مت بناؤ وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ اور تم میں جو کوئی ان سے دوستی کرے گا وہ انھیں میں شمار ہوگا)

ولن ترضیٰ عنک الیھود ولا النصاریٰ حتیٰ تتبع ملتھم۔

(بقرہ - ۱۲۰)

(نہ یہود تم سے راضی ہونے والے ہیں اور نہ نصاریٰ تاوقتیکہ تم انھی کی ملت کے پیرو نہ بن جاؤ)۔

قومی بے حرمتی کا پہلو بہت نمایاں ہے۔ اور اسی طرف بہت توجہ دلائی گئی ہے۔ معاہدہ کی ناہمواریوں کا ذکر بھی صحافت میں آتا رہا ہے۔

افسوسناک بات یہ ہے کہ اس معاہدہ کو مصر میں ایک بہت بڑی اخلاقی معاشرتی اور سماجی تبدیلی کا ذریعہ یا زینہ بنایا جا رہا ہے جس میں امریکہ اور اسرائیل کا کردار بنیادی ہوگا۔ معاہدہ کی دفعات میں مصر اور اسرائیل اور مصر و امریکہ کے درمیان ثقافت، تعلیم، تربیت، سیر و سیاحت، نوجوانوں کی رہنمائی اور معاشی و سیاسی میدانوں میں جس تبادلہ اور تعاون کا ذکر ہے اس کا مطلب اس کے سوا کچھ نہیں کہ اس ملک کو بہت قلیل مدت میں (خدانخواستہ) عیسائیت اور یہودیت کا گہوارہ بنا دیا جائے۔

مصر جیسے ملک میں جہاں اخوان المسلمین کے خاتمہ کے بعد عیسائیت و یہودیت نیز اشتراکیت اور لامذہبیت کے مقابلہ کا آخری حصار بھی ختم ہو چکا ہے اور جو پہلے ہی سے مغرب کی مسلسل یورش سے چور چور اور زار و نزار ہے اور جس میں اخلاقی بے راہ روی پہلے ہی زیادہ بڑھ چکی ہے۔ اتنے وسیع پیمانہ پر اور ہر شعبۂ زندگی میں عیسائیت و یہودیت سے تعاون کا مطلب صرف ایک ہے۔ اور وہ یہ کہ اس اسلامی ملک کو ان طاقتوں کے رحم و کرم پر بالکلیہ چھوڑا جا رہا ہے۔ اور یہ سب کسی مجبوری کے ماتحت نہیں ایک سازش کے تحت کیا جا رہا ہے۔

مصر کے نصاب تعلیم میں اب تک جو کتابیں تھیں وہ قدرتی طور پر یہودیت مخالف مواد سے بھری ہوئی تھیں اب ان کو تبدیل کرنے پر غور ہو رہا ہے اور ایسی چیزیں تیار کی جا رہی ہیں جن سے عیسائیت اور یہودیت کے بارے میں ہمدردانہ جذبات پیدا ہوں اور ان دونوں مذاہب اور اہل مذاہب کے ساتھ قدم قدم پر رواداری کا مظاہرہ کیا جائے۔

یہ ذہن وہاں بہت عرصہ سے کارفرما ہے اور یہ معاہدۂ امن دراصل اسی ذہن اور منصوبہ بند سازش کا شاید آخری حصہ ہے۔ اس کا کچھ اندازہ ہمیں اس سے ہوگا کہ آج سے کئی سال پہلے مصر کے مجلہ "السیاسۃ الدولیۃ" کی طرف سے جس کے ایڈیٹر اس وقت مصر کے موجودہ عیسائی وزیر بطرس غالی تھے (یاد رہے کہ وزیر خارجہ کے عہدہ پر اس وقت کوئی نہیں ہے اور اس وزارت کا سارا کام یہی عیسائی دیکھتا ہے) ایک مذاکرہ کی تفصیل شائع ہوئی اس میں بطرس غالی کے بھائی مریت بطرس غالی نے کھل کر یہ دعوت دی کہ مصر کے تعلیمی نصاب میں جلد از جلد اور اس انداز سے تبدیلی کی ضرورت ہے کہ اس کے ذریعہ "مصری عیسائی مشترکہ شخصیت" کو تشکیل دیا جا سکے۔ یہ پورا سیمینار مصری شخصیت کے موضوع پر تھا۔ اور اس میں بیشتر اسی طرح کے خیالات ظاہر کیے گئے۔

اس کے علاوہ ثقافت، آرٹ، کلچر اور سیر و سیاحت کے نام پر جس طرح وفود کے تبادلے کی تیاریاں ہو رہی ہیں اس سے اعلیٰ درجہ کی اخلاقی انارکی اور لاقانونیت کا دروازہ کھل جائے گا۔ مصر کے بازار اسرائیلیوں اور امریکیوں سے اور ان کی تیار کردہ مصنوعات سے پُر نظر آئیں گے۔ مصر کے کلیدی اور اہم شعبے و محکمے اسرائیلی و امریکی جاسوسوں سے محفوظ نہ ہوں گے اور اس کے بعد جو کچھ ہوگا اس کو آج بھی چشم تصور سے دیکھا جا سکتا ہے۔ اس "مبارک" معاہدہ کا آغاز ہی "امریکی فلموں کے ہفتہ" سے کیا گیا ہے۔ اور اس میں فلموں کے جو نام دیے گئے ہیں اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ فلمیں کتنی اخلاق سوز اور ہیجان انگیز ہیں۔ اکثر و بیشتر فلموں کے ساتھ (صرف بالغوں کے لئے) کی قید لگا کر طالبانِ دید کو دعوت نظارہ دی گئی ہے۔

یہ صرف صورت حال کا ایک معمولی جز ہے۔ بعض اسرائیلی اخبارات میں مصر جانے والے یہودیوں کے لیے جو ہدایت نامہ شائع کیا گیا ہے اور ہندوستان کے اخباروں میں بھی چھپا ہے اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یہودی اس وقت مصر کو ایک "موٹے شکار" کی حیثیت سے دیکھ رہے ہیں۔ اور اس کو کسی صورت میں بھی ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہتے۔ اس سلسلہ میں صنفِ نازک سے کام لینے کا فن اسرائیلیوں سے زیادہ کوئی نہیں جانتا اس لیے اس حقیقت کی چنداں وضاحت کی ضرورت نہیں۔

اس کے بعد نئے حلیفوں بلکہ آقاؤں کو خوش کرنے اور اس "نئی غلامی" کو پائدار بنانے کے لیے سب سے پہلے اخوان المسلمین کو جو اس وقت مصر کی مختلف یونیورسٹیوں میں "الجماعات الاسلامیہ" کے نام سے سرگرم عمل ہے اور ان تمام حریت پسند اسلامی الفکر اور دینی مزاج اور ذوق رکھنے والے افراد کے ساتھ ظلم و زبردستی کا ایک نیا خطرہ بھی سامنے نظر آ رہا ہے۔ سادات نے گذشتہ چند ہفتوں کے اندر اسیوط اور جامعہ عین شمس میں جس طرح ان کو دھمکیاں دی ہیں اور جس طرح اخوان کا نام لے کر ان پر الزامات لگائے ہیں اور ان کے لیے سخت ترین الفاظ استعمال کیے وہ الفاظ انہوں نے مصر کا اقتدار سنبھالنے کے بعد آج تک نہ کہے تھے۔ انہوں نے یہ اعلان بھی کیا کہ مسلح پولیس کو مکمل اختیارات دے دیے گئے ہیں اور وہ اپنی صواب دید پر جو کارروائی مناسب سمجھے کر سکتی ہے۔ اس سے اس بات میں اب کوئی شبہ نہیں رہ جاتا کہ یہ ٹکراؤ اب زیادہ دور نہیں۔ اگرچہ معاہدہ پر ریفرنڈم کرا دیا گیا ہے جو حسب معمول سو فی صدی کے قریب ہے، لیکن اس کی حقیقت صرف مصر نہیں ساری دنیا جانتی ہے۔ اس لیے اکثر ایجنسیاں اور بی بی سی نے بھی "حسب معمول" یا "حسب توقع" کے ساتھ اس خبر کو نشر کیا ہے۔ آخری اطلاعات آنے تک مصری پارلیمنٹ بھی توڑ دی گئی ہے اور ۷ جون کو نئے انتخابات کرانے کا وعدہ کیا گیا ہے لیکن اس کا حال بھی شاید اس ریفرنڈم سے بہتر نہ ہوگا۔

مصر میں اس رسوا کن صلح نامہ کے خلاف کبھی دبی زبان میں کبھی بلند آہنگی کے ساتھ اظہار اختلاف کیا گیا ہے۔ یونیورسٹی کے دیواری اخباروں میں (جس کا وہاں بہت رواج ہے) کہیں کھل کر اس کی مخالفت کی گئی اور کہیں دبی زبان میں جامعہ قاہرہ، عین شمس اور اسکندریہ کی یونیورسٹیوں میں بڑے بڑے اجتماعات ہوئے۔ ایک اجتماع میں تقریباً پچاس ہزار کا مجمع تھا جو مختلف یونیورسٹیوں سے آئے تھے اور اسی مقصد سے جمع ہوئے تھے۔ ایک بڑے اجتماع میں جس میں دس ہزار طلبہ شریک تھے۔ اس کی کھلی مخالفت کی گئی۔ اس کے خاص مقرر اخوانی رہنما "عمر التلمسانی" نے جو اخوان کے کثیر الاشاعت پرچہ الدعوۃ (تعداد اشاعت ایک لاکھ کے قریب) کے ایڈیٹر ہیں صاف طریقہ پر معاہدہ کی مخالفت کا اعلان کیا اور اس کے وجوہ بتائے۔

ان جذبات اور مظاہروں سے مصری حکومت کو یہ خدشہ لاحق ہوا کہ اگر بروقت خبر نہ لی گئی تو آگے چل کر معاملہ ہاتھ سے نکل سکتا ہے اور ایران کی کہانی یہاں بھی دہرائی جا سکتی ہے جہاں اسلامی جماعتیں اور کمیونسٹ دونوں انقلاب پر متفق تھے۔

ان تمام باتوں کے ساتھ عالم عرب میں جس وسیع اور عمومی طریقہ پر مصر کی مخالفت ہوئی اس نے مصر کے وقار کو سخت نقصان پہونچایا ہے اور اس کو ممالک عربیہ کی برادری یا قافلہ سے بالکل علاحدہ کر دیا ہے۔

مصر و اسرائیل کی اس محبت اور دوست کشی اور دشمن نوازی نے مصر کو آج جس مقام پر پہونچا دیا ہے۔ اس سے شاید اردو کے مشہور شاعر میر تقی میر واقف تھے یا انور السادات واقف ہوں گے۔

اس عاشقی میں عزتِ سادات بھی گئی
پھرتے ہیں میر خوار کوئی پوچھتا نہیں

میر صاحب کیا اندازہ کر سکتے تھے کہ ان کا یہ شعر اتنے زمانہ کے بعد انور السادات کے اس قدر حسب حال ثابت ہوگا۔

واقعہ یہ ہے کہ اس "نئی عاشقی"، یا دوسرے الفاظ میں بے حمیتی نے مصر کی عزت کو صرف عالم عربی میں نہیں پورے عالم اسلام میں خاک میں ملا دیا ہے۔ اس سلسلہ میں مجبوری کا فلسفہ بھی بیان کیا جاتا ہے اور معاہدہ کی سیاسی مصلحتیں سامنے رکھی جاتی ہیں لیکن جس افراتفری کے عالم میں یہ معاہدہ عمل میں آیا اور پھر جس عجلت کے ساتھ مصر کو صلیبی طاقتوں اور یہودی سازشوں کے حوالہ کیا جا رہا ہے۔ اس سے یہ فلسفۂ مجبوری بے وقعت ہو جاتا ہے۔ مصر میں آج عیسائیت کے فروغ کے لیے جس طرح کھل کر کارروائیاں ہو رہی ہیں اور سارے ذرائع ابلاغ اور وسائل نشر و اشاعت جس طرح ذہنوں میں یہودیوں اور امریکیوں کی اور یہودیت اور عیسائیت کی محبت و عظمت بٹھانے کے لیے سرگرم ہیں اور اسلامی عناصر، اسلامی جذبات و محرکات کے ہر نشان کو مٹانے یا کمزور کرنے اور نظر انداز کرنے کی افسوسناک پالیسی چل رہی ہے اور یہ برملا کہا جا رہا ہے کہ اسلام کو مسجد کی چہار دیواری سے آگے بڑھنے کا حق نہیں، یہ انسان کا پرائیوٹ معاملہ ہے اس سے مجبوریوں کا یہ سارا تار و پود بکھر جاتا ہے۔ اس لیے کہ اگر ایسی ہی کچھ مجبوری درپیش تھی تو معاہدہ کم از کم محتاط و شریفانہ ہونا چاہیے تھا اور ان عناصر کی بیخ کنی نہیں ہمت افزائی ہونی چاہیے تھی جو اسلام کو وہاں زندہ، متحرک اور فلاح اسلامی اور مصر کو سربلند و سرخرو دیکھنا چاہتے ہیں۔ اس سلسلہ میں لندن کے عربی اخبار العرب نے ایک خصوصی دستاویز شائع کی ہے جو حد درجہ افسوسناک ہے اور خطرناک بھی، اس میں یہ دکھایا گیا ہے کہ، **معاہدہ کے بعد کیا کچھ کرنا ہے، اور کس طرح مصر کی اسلامی تصویر کو مسخ کرنا ہے یہ بات اسرائیل اور امریکہ کے ساتھ باقاعدہ طے ہو چکی ہے، ہو سکتا ہے کہ اس دستاویز کی سب باتیں صحیح نہ ہوں لیکن جو کچھ سب کو کھلی آنکھوں نظر آ رہا ہے وہ اتنا واضح اور کھلا ہوا ہے کہ اس کے لیے کسی اخباری شہادت کی بھی ضرورت نہیں۔**

نقشوں کو تم نہ جانچو لوگوں سے مل کے دیکھو
کیا چیز جی رہی ہے کیا چیز مر رہی ہے

عالم اسلام میں منافقانہ اور ظالمانہ قیادت (جو مغرب کے سانچے میں ڈھلی ہوئی اور اکثر اس میں سرتاپا ڈوبی ہوئی ہے) اور مخلص اور سادہ دل عوام (جو قرآن اور ایمان کی زبان کے سوا اور کوئی زبان نہیں سمجھتے) کے درمیان یہ رسہ کشی اور صف آرائی عالم اسلام کا سب سے بڑا سانحہ اور موجودہ دور میں اس کی ناکامی و زوال کا سب سے بڑا سبب ہے اور افسوس کہ یہ صف آرائی مصر میں پھر نظر آ رہی ہے اور مصر کے زنداں اور دار و رسن اہل حق کو ایک دفعہ پھر آواز دے رہے ہیں۔

پرنٹر، پبلشر، مسئول
سید محمد حسنی
نے
جے۔ کے آفسیٹ پرنٹنگ پریس
دہلی میں
طبع کرا کے
دفتر "تعمیر حیات"
ندوہ لکھنؤ سے
شائع کیا۔
اڈیٹر: اسحاق جلیس ندوی

مفتی عتیق الرحمٰن صاحب کا مکتوب

مدیر "دعوت" کے نام

مفتی عتیق الرحمٰن صاحب کا مندرجہ ذیل خط مدیر دعوت کے نام موصول ہوا ہے۔

برادر عزیز و گرامی قدر
جناب مولوی محمد مسلم صاحب
دام مجدہم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

میں اپنے سانحۂ برادر زادہ(؟) اور بہنوئی کی رحلت کے سلسلے میں باہر رہا لیکن حالات اور ان کی افراتفری سے بے خبر نہیں ہوں ہندوستان کے بعض مقامات علی الخصوص کشمیر میں جماعت اسلامی کی املاک، مدرسوں اور کتابوں کو نذر آتش کر کے ہمارے بھائیوں نے جس ناسمجھی کا ثبوت دیا اس سے شدید روحانی تکلیف ہوئی ہے۔ ایسی تکلیف جس کا بیان الفاظ میں نہیں ہو سکتا۔ آپ کے شذرات "بڑا آدمی برا انجام" "یہ کون ہے، کس کا خون بہا" اور "ایک مسیحا نفس کی بات گئی" میں نے خاص تاثرات میں محو ہو کر پڑھے۔

ایسا لگتا ہے کہ جب یہ سب کچھ ہو رہا تھا اس وقت ایک بھی "رجل رشید" یہ پوچھنے والا نہیں تھا کہ بھلا آخر یہ خون کس کا ہے، جو تم بہا رہے ہو یہ کتابیں جن کو تم جلا رہے ہو کیا کھیل ہیں، یہ کس کی عمارت تھی جس کو تم نے خاک کا ڈھیر بنا دیا، بدقسمتی سے یہ سب کچھ ہمارے ملک میں مسلسل ہو رہا ہے لیکن مسلمانوں کے ساتھ شاید یہ پہلی بار ہوا، وہ لوگ تو قابل افسوس ہیں ہی جو استعمال ہوئے لیکن جنہوں نے مسلمانوں کے ایک طبقے کو استعمال کر کے اپنی مقصد براری کی وہ بھی کچھ کم قابل مذمت نہیں ہیں، کچھ لوگوں کی نادانی سے خواہ مخواہ یہ تاثر پیدا ہوا کہ ہمیں اپنی تعمیر یا اصلاح سے زیادہ دلچسپی غیر علمی سیاست سے ہے۔

اس معاملے میں دو رائیں نہیں ہو سکتیں کہ کچھ ناعاقبت اندیش لوگوں نے اس واقعہ کو بہانہ بنا کر اپنی ہی ایک خدمت گار جماعت کے ساتھ جو خاموشی سے تعمیری کام میں لگی ہوئی ہے پرانا حساب چکانے کی کوشش کی، اس سلسلے میں خود ہمارے بعض اخبارات کا رویہ بھی افسوسناک رہا ہے، اور انہوں نے لغو اور بے سر و پا خبریں شائع کی ہیں، جذبات کو اس لیے برانگیختہ کرنا کہ اس سے سیاسی منفعت حاصل کی جائے ایسی چیز ہے جس پر ہماری صحافی برادری کو جو ہمارے ہی جسد ملی کا ایک اہم حصہ ہیں غور کرنا چاہیے۔

آپ ان دنوں ہسپتال میں ہیں اللہ تعالیٰ آپ کو صحت عطا فرمائے اور دین و ملت کی بہتر سے بہتر خدمت کے لائق بنائے۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ کا وجود ملت کا گراں قدر سرمایہ ہے۔ میری حالت آپ کو معلوم ہے عوارض میں گھرا ہوا ہوں اور ۷۹ سال کی عمر میں یہ عوارض غیر معمولی ہیں۔ بیمار کی دعائیں بھی تاثیر بخش ہوتی ہیں آپ سے دعا کا طلب گار ہوں، ملت کی خدمت میں جو لمحات حیات گذر جائیں غنیمت ہیں۔

عتیق الرحمٰن
۱۳ اپریل ۱۹۷۹ء

بقیہ صفحہ ۲۵: بھٹو کی پھانسی اور ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

کی صحیح تصویر پیش کر رہی ہیں جہاں ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کا بھائی، ایک کو دوسرے کے لیے آئینہ کہا گیا ہے، کیا ان علماء کے لئے یہ مناسب نہ تھا کہ وہ معاملہ کے تمام پہلوؤں پر شریعت کی روشنی میں غور کر کے رائے قائم کریں ان کے بارے میں تو انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء کہا گیا ہے، کیا یہ مومنانہ فراست ہے کہ حق و باطل، تاریکی و روشنی اور دوستوں اور دشمنوں میں امتیاز نہ کیا جائے۔

کیا یہ مسلمان جو اختلافی نقطۂ نظر کی بنیادوں پر آسمان سر پر اٹھا لیتے ہیں اقوام عالم کی قیادت کریں گے، بھٹکی ہوئی دنیا کو ہدایت و رہنمائی کی روشنی دکھائیں گے جن کا حال یہ ہے کہ روشنی موجود ہوتے ہوئے بھی اندھے ہیں۔

فاعتبروا یا اولی الابصار۔

بڑا آدمی ——— برا انجام

از: محمد مسلم صاحب مدیر "دعوت" دہلی

مسٹر بھٹو جو کل تک دنیا بھر کے اخبارات اور خبر رساں ایجنسیوں کی زینت بنے ہوئے تھے انہیں پھانسی دے دی گئی اور یہ موضوع کہ ان کی جانبخشی کے لئے کیا طریقے استعمال کئے جائیں اب ماضی کا ورق ہے۔

بھٹو صاحب بلاشبہ پاکستان کی پوری تاریخ کی ایک غیر معمولی شخصیت تھے اور شاید ان کا عروج و زوال بھی اتنا ہی غیر معمولی ہوا ہے۔

کسی مسلمان بھائی کے حق میں دعائے مغفرت کرنا ہر مسلمان کے لیے پسندیدہ رہا ہے اور اس لحاظ سے خود پاکستان کے اندر ان کو پھانسی دینے والے بھی ان کی مغفرت کی دعا کرنے میں برابر کے شریک ہوں گے۔ مرنے والوں کے احترام کا ایک تقاضہ یہ سمجھا ہے کہ ان کے سلسلے میں اچھائی کے علاوہ دوسری باتیں نہیں کہی جائیں تاہم جس شخصیت سے ایک دور کی تاریخ وابستہ رہی ہو اس کی غلطیوں کا تذکرہ اس لحاظ سے ضروری بھی ہوتا ہے کہ آئندہ کے لئے وہ عبرت کی نشانی بن سکے اور دوسرے آنے والے اس کے نقش قدم پر نہ چل سکیں۔

بھٹو مرحوم ایک طالع آزما شخصیت تھے اور اس کی خاطر انہوں نے اصولوں کو بھینٹ چڑھانے سے بھی گریز نہیں کیا۔ ان کے دور اقتدار میں احمد رضا قصوری کے والد کے قتل کے علاوہ (جس میں انہیں سزائے موت دی گئی ہے) ان سے بلوچستان کے خان عبدالصمد خاں اور انہی کی طرح ۱۲۔۱۳ سیاسی قتل کی داستانیں منسوب کی جاتی تھیں خان عبدالولی خاں بھی حریف تھے اور ان پر بھی دو بار قاتلانہ حملے ہوئے۔ وہ جس شخص کے مخالف بن جاتے تھے اس کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنا ان کے مزاج کا خاصہ تھا۔ بلوچستان اور سرحد کی منتخبہ حکومتوں کو ختم کرنا مہاجر اور مقامی باشندوں میں تلخی پیدا کرانا۔ ایف۔ ایس۔ ایف (فیڈرل سکیورٹی فورس) کے ذریعہ سنجیدہ اور متین دانشوروں کی زندگی اجیرن کر دینا ایسے واقعات ہیں جو ۱۹۷۱ء سے ۱۹۷۷ء تک کے ۶ سال میں ان سے منسوب کئے جاتے ہیں۔

۱۹۷۰ء کے انتخابات پاکستان کی تاریخ میں دیانتدارانہ طور پر انجام پائے جانے تھے اور اس کی رو سے مرحوم مشرقی پاکستان میں شیخ مجیب کی پارٹی کو پاکستان پر حکومت کرنے کا حق پہنچتا تھا پارٹی لیڈرشپ کے انتخابات کے لئے قومی اسمبلی کا اجلاس ڈھاکہ میں منعقد ہونا طے بھی ہو گیا تھا، لیکن مسٹر بھٹو کے ان الفاظ نے کہ مغربی پاکستان سے جو بھی ڈھاکہ جائے گا اس کی ٹانگیں توڑ دی جائیں گی، اس ملک کی قسمت ہی بدل کر رکھ دی اور یہ ملک دو حصوں میں بٹ گیا پھر اس بچے کھچے مغربی پاکستان میں بھی انہوں نے جمہوری اقدار کے بجائے ساری سیاست کو صرف اپنے گرد گھمائے رکھا اور اگر ۱۹۷۷ء میں پاکستان کے عوام پوری طرح نہ اٹھ کھڑے ہوتے تو نہ جانے اس ملک کا نقشہ کیا سے کیا ہو جاتا۔

مسٹر بھٹو اپنی شخصیت کے گرد اس طرح گھومنے لگے کہ اس میں خوشامدیوں کے علاوہ کوئی باوقار انسان ان کا ساتھ دے ہی نہیں سکتا تھا اور جب یہ راستہ بھی کام آیا تو فیڈرل پولس اور انتخابی دھاندلیوں کے ذریعہ انہوں نے ملک کو وہاں پہنچا دیا کہ غیرت مند شہریوں کیلئے سانس لینا تک دشوار ہو گیا۔ بھٹو صاحب کو جس مقدمے کے سلسلے میں سزائے موت دی گئی ہے فوجی ڈکٹیٹر کا کوئی حکم نہیں تھا بلکہ پنجاب ہائی کورٹ کا ایک متفقہ فیصلہ تھا جس کو سپریم کورٹ نے بھی اکثریت کے ساتھ منظوری دے دی تھی اس مقدمہ قتل کے سلسلے میں مسٹر بھٹو اور ان کے حامیوں کو صفائی کا پورا موقع دیا گیا جس کی تعریف خود مرحوم بھٹو صاحب نے بھی کی سپریم کورٹ کے فیصلے کے بعد پاکستان کے صدر کے سامنے یہ مسئلہ بڑی نزاکت سے اٹھ کھڑا ہوا تھا کہ وہ دنیا کی مختلف بڑی شخصیتوں کی سفارشوں اور اپنے ملک کے متوقع اٹھنے والے اندیشوں کا لحاظ کر کے اس سزا کو عمر قید میں بدل دیں یا قانون کا یہ تقاضا پورا کریں کہ مجرم کو خواہ وہ کتنا ہی بڑا ہو قانون کی گرفت سے آزاد نہیں رہنا چاہیے۔ صدر پاکستان نے موخر الذکر راستہ پسند کیا اب دیکھنا ہے کہ پاکستان کے عوام کس حد تک ان کے ہم خیال ہیں بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ بھٹو صاحب کی شخصیت کو دنیا کے دوسرے ملکوں نے جس طرح پیش کیا ہے اہل پاکستان انہیں اس مقام کا حامل نہیں سمجھتے۔

خدا لگتی بات!

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے مدیر "دعوت" کے نام مندرجہ ذیل مکتوب ارسال کیا ہے:۔

ندوۃ العلماء، لکھنؤ
۷ اپریل ۱۹۷۹ء

محب گرامی جناب مسلم صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

خدا کرے آپ کی طبیعت اچھی ہو۔ معلوم نہیں آپ اسپتال میں داخل ہوئے یا ابھی مکان ہی پر ہیں۔ ہر حال میں دعا ہے کہ اللہ آپ کو صحت و قوت عطا کرے۔

"دعوت" کے ۵ اپریل ۱۹۷۹ء کے شمارہ میں "بڑا آدمی — برا انجام" کا ایڈیٹوریل پڑھ کر دل باغ باغ ہو گیا۔ بڑا متوازن، طاقتور اور فکر انگیز ہے۔ کسی نے تو اس ملک میں خدا لگتی بات کہی۔ ورنہ ہماری صحافت میں بے دانشی اور بے ضمیری کا دور دورہ ہے اور بھٹو صاحب کی سزائے موت کے موقع پر تو اس کا جو مظاہرہ ہوا اس کی توقع نہ تھی۔

میری طرف سے آپ یا آپ کے جس تربیت یافتہ مدیر عزیز نے یہ مقالہ لکھا ہے اور پوری جماعت دلی مبارکباد قبول کرے۔ آپ میرے یہ تاثرات شائع بھی کر سکتے ہیں۔ والسلام

مخلص: ابوالحسن علی ندوی

سقوط اوغادین کے بعد کمپالا

★

اوغادین (صومالیہ) کے بعد کمپالا (یوگنڈا) کا بھی زوال ہو گیا اور مارشل عیدی امین کو کمپالا سے دستبردار ہونا پڑا اور باغی تنزانیا حامی عیسائی فوجوں کو کمپالا میں داخلہ کا موقع مل گیا۔

براعظم افریقہ میں یہ دوسرا اہم اور بڑا اسلامی شہر ہے جس پر اسلام دشمن عناصر نے قبضہ کیا ہے اس سے قبل صومالیہ کے خلاف عیسائی کمیونسٹ اور اسرائیل کی بھرپور امداد سے اوغادین کا زوال ہو چکا ہے اوغادین کے سقوط کے لیے اسرائیل، امریکہ، روس اور پڑوسی ملک ایتھوپیا جو ایک زمانہ تک شہنشاہیت کے زیر اثر رہ چکا ہے سب متفق تھے اور زیاد بری (صومالی صدر) کی قیادت میں لڑنے والے رضاکاروں کو پاش پاش کرنے لئے کمربستہ ہو گئے تھے۔

کمپالا کا انتخاب:

۱۹۶۲ء میں برطانوی انتخاب سے آزاد ہونے والا ملک یوگنڈا ۵۵ فی صد مسلم اکثریت کا ہے مگر برطانیہ نے آزادی کے وقت اقتدار عیسائیوں کو منتقل کر دیا تھا اور اس کے سربراہ جنرل اوبوٹے بنے، ملٹن اوبوٹے کی غیر منصفانہ کردار کے خلاف آواز بلند کرنے کے لیے عیدی امین تیار ہو گئے اور مناسب وقت آنے پر ملک پر قبضہ کر لیا اس وقت اوبوٹے سنگاپور دولت مشترکہ کانفرنس میں شرکت کی غرض سے گئے تھے اور وہ وہیں سے جلاوطنی کی زندگی گذارنے پر مجبور ہوئے۔

مارشل عیدی امین نے ملک کی فوج کے تینوں بازوں کو اسرائیل کی مدد سے مضبوط اور جدید کر لیا تھا اور خود ان کی تربیت تل ابیب میں ہوئی تھی کیونکہ اس وقت اسرائیل کا دائرہ کار افریقہ کے کمزور معاشیات والے اکثر ممالک تک تھا مگر انقلاب کے بعد جب عیدی امین نے عرب ملکوں لیبیا، سعودیہ اور مصر وغیرہ کا دورہ کیا تو اس وقت فیصل مرحوم باحیات تھے اور ان ہی کی کوششوں کے نتیجہ میں مارشل امین نے اپنے تعلقات اسرائیل اور اسرائیل دشمن عناصر سے توڑ لیا اور پوری طور سے اسلامی ممالک کی طرف مائل ہوئے اس وقت وہ یوگنڈا کے باہمت مستقل مزاج اور ثابت قدم اسلام پسند سربراہ کی حیثیت سے ابھرے اور ملک کے مفاد میں جو بھی اقدام کرنا ممکن ہوا اس میں ذرہ برابر پس و پیش نہیں ہوئے اور ملکی مفاد کو سامنے رکھ کر ان ایشیائیوں کو جو برطانوی پاسپورٹ رکھتے تھے نکل جانے کا حکم دے دیا جس پر لندن انگشت بدنداں رہ گیا۔

اسی وجہ سے جب گذشتہ سال فلسطینی چھاپہ مار اسرائیلیوں کو یرغمال بنا کر اینٹیبے ہوائی اڈہ لے گئے تھے اور گفت و شنید جاری تھی کہ اچانک اسرائیلی فوجیوں نے اینٹیبے ہوائی اڈہ سے اسرائیلی یرغمالیوں کو فلسطینی چھاپہ ماروں سے آزاد کرانے میں اس وجہ سے کامیاب ہو گئے کہ اینٹیبے کی تمام تنصیبات اور نظام اسرائیلی ماہرین کی نگرانی میں تعمیر ہوئی تھی اور وہ اس کے پورے جغرافیہ سے واقف تھے،

ان ہی حالات کے پیش نظر اس وقت سے اسلام دشمن عناصر جو یوگنڈا کے چاروں طرف ریشہ دوانیوں کے جال پھیلائے ہوئے ہیں۔ عیدی امین کی حکومت کے خلاف متعدد بار ناکام بغاوت کرانے کی کوشش کی اور ہر بار ناکامی کا سامنا کرنا پڑا، لیکن اس بار جس میں کھلم کھلا تنزانیا کے فوجی یوگنڈا کے خلاف جنگ میں حصہ لے رہے تھے بالآخر کامیاب ہو گئے۔

تنزانیا برطانوی اقتدار میں ٹانگانیکا کے نام سے موسوم تھا جب ۱۹۶۲ء میں اس کو آزادی ملی اور اقتدار عیسائیوں کو منتقل ہوا تو اس کا نام تنزانیا پڑا، اس وقت سے ملک میں یہی لوگ سرکاری اہم جگہوں پر قابض ہیں جب کہ ملک میں مسلم آبادی ۱۴ و ۱۰ ملین ۶۵% کے قریب ہے۔ یہاں کے حکمراں پڑوسی مسلم حکومت زنجبار کو برداشت نہیں کر سکے اور اس نو آزاد ملک کو ۱۹۶۴ء میں تنزانیا کا ایک جز بنا لیا اور نیریرے کی عیسائی فوجوں نے وہ مظالم کئے جس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی ہے یہ صرف اس لیے کہ زنجبار غالب مسلم اکثریت کا ملک خود مختار اور آزاد نہ رہنے پائے اور ملک کی پیداوار لونگ جو پوری دنیا میں برآمد کی جاتی ہے عیسائیوں کے قبضہ میں رہے۔

عیدی امین کے خلاف نبرد آزما عیسائیوں اور کمیونسٹوں، اسلام دشمن عناصر کی بھرپور امداد کے باوجود کمپالا پر قبضہ کرنے میں سخت مزاحمت کے نتیجہ میں مالی اور جانی نقصان کا سامنا کرنا پڑا ہے تب وہ کہیں جا کر کمپالا میں داخل ہو سکیں، مگر عیدی امین کو گرفتار کرنے میں کامیاب نہ ہو سکیں اور نہ ہی ان کو امین کے متعلق کوئی صحیح اطلاع ہے لیکن صرف یہ قیاس کیا جا رہا ہے کہ وہ ملک ہی میں ہیں اور رہیں گے اور جنگ جاری رکھیں گے، کیونکہ کمپالا کے سقوط کے بعد بھی امین کے قبضہ میں ملک کا ۲/۳ حصہ ہے کمپالا بہ نسبت اور شہروں کے تنزانیا سے قریب تھا اور اس کا حصول بھی اس کے لیے آسان تھا اب تنزانیا کی فوجیں یہاں آ کر رک گئی ہیں اور آگے بڑھنے کی ہمت نہیں کر پا رہی ہیں۔

یوگنڈا کے سابق صدر جنرل ملٹن اوبوٹے عیسائی ضرور تھے مگر وہ ان دشمن عناصر کا کھلونا بننے کے لیے تیار نہ تھے اس کے لیے عیدی امین کو آمادہ کیا گیا اور انہوں نے اقتدار پر قبضہ کر لیا۔ عیدی امین نے اپنی طاقت کو مضبوط اور مستحکم کیا اور خود کو عیسائیت کا آلہ کار نہ بننے دیا بلکہ وہ براعظم افریقہ میں اسلام کے پاسباں کی حیثیت سے منظر عام پر آئے۔

عیدی امین کے خلاف یہ طاقتیں اس وقت سے سازش کر رہی ہیں جب سے امین نے اپنا رشتہ اسرائیل اور اسلام دشمن عناصر سے توڑ لیا اور اپنا تعلق مرکز حقیقی سے جوڑا۔ امین نے ملک میں ان ایشیائیوں کو جو برطانوی پاسپورٹ پر ملک میں رہتے تھے بار بار ہدایت کی کہ وہ یوگنڈا کی قومیت اختیار کر لیں اور اپنے

(بقیہ ص ۹ پر)

محمود الازہار ندوی

تاریخ اسلام کا ایک ورق
ثروت صولت

قاضی نے بادشاہ کی گواہی تسلیم کرنے سے انکار کردیا

حکم اول جس نے ...

عدل وانصاف کی جو روایات اسلامی تاریخ میں ملتی ہیں، تاریخ عالم اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے

معارف الحدیث
مولانا منظور نعمانی

مسجد سے تعلق ایمان کی نشانی

تشریح

قیامت کی ایک نشانی

تشریح

مسجد میں صفائی اور خوشبو کا حکم

تشریح

مسجد بنانے کا اجر

تشریح

مسجدوں کی ظاہری ٹیپ ٹاپ

اور شان و شوکت پسندیدہ نہیں

اصلاح معاشرہ کیلئے خارجی ذرائع کے ساتھ ساتھ باطن کی تطہیر بھی ضروری ہے

سلیم احمد

مسلم ممالک میں اسلام ایک متحدہ سیاسی قوت بنکر ابھر رہا ہے: ٹائم میگزین

احیاء اسلام کی تحریک میں نوجوان پیش پیش ہیں، پاکستان سے تیونس تک امت مسلمہ نشاۃ ثانیہ کے دور سے گزر رہی ہے

ایران کی تحریک سے روس خوفزدہ ہے
مسلم ریاستوں کے متاثر ہونیکا خطرہ ہے
سنکیانگ کے ۵۹ لاکھ مسلمان بھی عبادت کرتے ہیں

آج سب روشن خدا ہر گھر عبادت ہے

جریدہ ٹائم کے سرورق کا عکس

عیدی امین مغربی استعمار کی سازش کا شکار ہوگئے

اقبال اور عشقِ رسولؐ

پروفیسر عمر حیات خاں غوری، انجمن کالج بھٹکل

سکھلائی فرشتوں کو آدم کی تڑپ جس نے
آدم کو سکھاتا ہے آدابِ خداوندی

علامہ اقبال مرحوم سے کون ناواقف ہے، یہ نہ صرف ہندوستان گیر شہرت کے مالک ہیں بلکہ عالمی ادب عالیہ میں اپنا بلند ترین مقام حاصل کر چکے ہیں۔ علامہ اقبال ایک بلند پایہ شاعر عظیم المرتبت فلسفی اور جلیل القدر مفکر اسلام کی حیثیت سے دنیا میں مشہور و معروف ہیں۔ اقبال کے کلام کا یہ اعجاز ہے کہ وہ براہ راست دل سے نکلتا ہے اور دل پر اثر کرتا ہے۔ شاید اردو ادب میں یہ مرتبہ اقبال ہی کو نصیب ہوا ہے کہ ان کے کلام سے عالم و جاہل سب متاثر ہوتے ہیں، ان کے دلوں پر اثر ہوتا ہے اور بعض اوقات تو اس "محرم رازِ درونِ میخانہ" کے کلام معجز بیانی کے اثر سے آنکھوں سے آنسو بھی جاری ہو جاتے ہیں لیکن اقبال کو صرف شاعر یا فلسفی سمجھ لینا نہ تو مناسب ہی ہے اور نہ صحیح ہے بلکہ وہ ان دونوں حیثیتوں سے بلند کچھ اور ہیں۔ اس بات کا احساس خود اقبال کو بھی تھا۔ اسی لئے کہتے ہیں ؎

مری نوائے پریشاں کو شاعری نہ سمجھ
کہ میں ہوں محرمِ رازِ درونِ میخانہ

یہی وہ رازِ درونِ میخانہ تھا جو درد و کرب بن کر اقبال کے دل کو تڑپاتا رہا اور اسے عشق کی وہ بلندیاں عطا کیں جہاں فرشتوں کے بھی پر جلنے لگے اور اس نے برملا کہہ دیا ؎

نہ کر تقلید اے جبریل میرے جذب و مستی کی
تن آساں عرشیوں کو ذکر و تسبیح و طواف اولیٰ

یہی جذب و مستی کی کیفیت تھی، جس نے اقبال کو انسانیت کا ہمدرد اور بہی خواہ بنا دیا اور اس کو وہ دکھا دیا جو انسانیت اپنے سارے علوم و فنون کے باوجود نہ دیکھ سکتی تھی۔ اقبال نے انسانیت تک اس حقیقی پیغام کو پہنچانے کے لیے راستے کی ہر رکاوٹ کو ٹھوکر مار دی، یہاں تک کہ لاہور کالج کی پروفیسری سے بھی مستعفی ہو گئے اس کے بعد کئی مقامات سے انہیں ملازمتوں کی پیش کش کی گئی لیکن ہر پیش کش کا جواب نفی میں دے دیا اور کسی کی ایک نہ چلی اس عمل سے ان کے دوست و احباب بھی ناراض ہوئے اعزہ و اقربا بھی خفا ہو گئے مگر اس مرد قلندر نے کسی کی پرواہ نہ کی اور اپنے مستقبل کو بظاہر تاریکی میں پھینک دیا لیکن یہ اقبال ہی جانتے تھے کہ ؎

جب عشق سکھاتا ہے آدابِ خود آگاہی
کھلتے ہیں غلاموں پر اسرارِ شہنشاہی

جب اقبال کے اس رویہ کی حکمت و مصلحت کو بڑے بڑے دانشور اور اہل علم و نظر نہ سمجھ سکے تو اقبال کا وفادار ملازم علی بخش کیا سمجھتا چنانچہ لاہور کالج کی پروفیسری سے مستعفی ہونے کے بعد ایک دن علی بخش نے اقبال سے استعفیٰ کے بارے میں معلوم کرنا چاہا، اس کے جواب میں اقبال نے جو کہا وہ ان کے ذہن کی پوری طرح غمازی کرتا ہے۔ انہوں نے کہا،

"علی بخش انگریز کی ملازمت میں بڑی مشکلیں ہیں۔ سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ میرے دل میں کچھ باتیں ہیں جنہیں میں لوگوں تک پہنچانا چاہتا ہوں مگر انگریز کا نوکر رہ کر کھلم کھلا نہیں کہہ سکتا۔ اب میں بالکل آزاد ہوں جو چاہوں کہوں اور جو چاہوں کروں۔ شاید یہ پھانس جو مدت سے میرے دل میں کھٹکتی ہے اب نکل جائے۔" (ذکر اقبال ۱۹۵۰ء مرتبہ اکبر حسین قریشی)

اقبال کے اس جواب سے خود اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے دل میں خلوص اور مقصد کا عشق کس طرح بھر گیا تھا کہ جس کی خاطر انہوں نے گورنمنٹ کالج لاہور کی پروفیسری کو لات ماری صرف اس لئے کہ انہیں ملت اور انسانیت کو غفلت سے بیدار کرنا اور ان کی خودی کو جھنجھوڑنا تھا انہوں نے ان ساری زنجیروں کو توڑ کر پھینک دیا جو اس راہ میں حائل ہو سکتی تھیں اور کائنات کے اسرار کو اس طرح کھول کھول کر بیان کر دیا کہ کوئی چیز گنجلک نہ رہنے دی۔

من عرف نفسہ فقد عرف ربہ کا قول اقبال کے سامنے تھا اسی لئے جب ایک فلسفی نے اقبال سے پوچھا کہ آپ کا پیغام کیا ہے تو اقبال نے جواب دیا کہ میرے آبا و اجداد نے اپنی زندگیاں اس تلاش میں صرف کر دیں کہ خدا کیا ہے لیکن میں یہ تلاش کر رہا ہوں کہ خود انسان کیا ہے۔ اقبال کا یہ جواب جہاں ہندی فلسفہ اور اسلامی فلسفہ کا مکمل ترین تعارف ہے وہیں اپنے پیغام اور اس کے اسلامی مزاج کی نقاب کشائی بھی کرتا ہے۔ ہندوستانی فلسفہ یہی ہے کہ ایشور یا خدا کیا ہے۔ یہاں کے فلسفہ کا مرکز و محور الٰہیات کا یہی نکتہ ہے۔ لیکن اسلامی فلسفہ کی بنیاد اس کے برعکس معرفت آدم پر ہے جب انسان کو اپنی معرفت کائنات میں اپنی حیثیت اور اپنی قوتوں اور صلاحیتوں کی وسعت و تحدید معلوم ہو جاتی ہے تو خود بخود تصور خالق کائنات اس سے ابھرتا ہے آخرت کی جوابدہی لازمی معلوم ہوتی ہے اور اطاعت خداوندی کے لئے اسوۂ رسول اکرمؐ کی ضرورت شدت سے ابھر کر سامنے آجاتی ہے۔ اسلامی فلسفہ کے اسی گر کا دوسرا نام خودی ہے جو اقبال کے کلام میں روح کی طرح جاری و ساری ہے اور علمی و فلسفیانہ انداز سے مختلف مقامات پر اس کی توجیہ کی گئی ہے۔ اقبال کا یہی فلسفہ خودی ہے جسے معرفت خود یافتہ خود سے تعبیر کیا جاتا ہے، معرفت خود پیدا ہونے کے بعد ہی عشق کبھی آتش نمرود میں بے خطر کود پڑتا ہے تو کبھی صلیب پر چڑھ کر اس کی شہادت دیتا ہے۔ کبھی فرشتوں کو للکارتا ہے تو کبھی کائنات کی وسعت اس کے لئے کم محسوس ہوتی ہیں اور شکایت کر بیٹھتا ہے ؎

تیری خدائی سے ہے میرے جنوں کو گلا
اپنے لئے لامکاں میرے لئے چار سو

بیداریٔ خودی کے بعد ہی انسان میں وہ عظمت پیدا ہوتی ہے جو خلیفۃ اللہ فی الارض میں ہونا چاہیے کارِ جہاں کی عقدہ کشائی اس کا مطمح نظر بن جاتی ہے۔ ستاروں پر کمندیں ڈالنا اس کا کھیل ہو جاتا ہے اور بادِ باراں کی طرح دنیا پر چھا جانے کی قوتیں اس میں پیدا ہو جاتی ہیں۔ جب کسی شخص کی خودی بیدار ہو جاتی ہے تو کائنات کی کوئی چیز بھی اس کے لئے معمہ بن کر نہیں رہ جاتی بلکہ "ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار" کے مصداق کائنات کی ہر گتھی اس کے لئے کھلی کتاب کی طرح واضح ہو جاتی ہے اسی کو اقبال نے دوسری جگہ دل و نگاہ کی مسلمانی سے تعبیر کیا ہے۔ کہتے ہیں ؎

زباں سے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

جس شخص کی خودی بیدار ہو جاتی ہے اس کو کبھی مرد مومن سے تعبیر کیا جاتا ہے تو کبھی مرد کامل سے اقبال کو انسان کی اس کمزوری کا احساس بھی تھا کہ اس کی نظر "خوگر پیکر محسوس" ہے۔ اس لئے اس نے تلاش و جستجو سے کام لیا اور رسول اکرمؐ کے اسوہ میں اسے مرد کامل اور مرد مومن کی جیتی جاگتی شخصیت مل گئی جس کی اطاعت دراصل خدا کی اطاعت ہی کا دوسرا نام ہے۔ اس لئے کہ ؎

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

اسی لئے علامہ اقبال کو رسول اکرمؐ سے غیر معمولی عشق تھا۔ ایسا عشق جو نہ کسی فرہاد کو شیریں کے ساتھ ہو سکتا ہے اور نہ کسی قیس کو لیلیٰ سے۔ ذرا کسی نے اقبال کے سامنے رسول اکرمؐ کا نام لیا اور ان کے دل کے تار جھنجھنا اٹھے، درد عشق نے کروٹ لی اور آنکھوں سے آنسوؤں کی لڑی رواں ہو گئی۔ ۱۹۰۵ء میں جب اقبال اعلیٰ تعلیم کے لئے یورپ جا رہے تھے سمندری جہاز کا سفر تھا۔ سفر جاری تھا کہ ایک مسافر نے حساب لگا کر بتایا کہ اس وقت ہمارا جہاز عین مدینہ منورہ کے سامنے سے گزر رہا ہے جملہ پورا بھی نہیں ہونے پایا تھا کہ آنسوؤں نے اس عاشق رسول کے درد عشق کی گواہی دے دی۔ تصور کیجئے ایک شخص فلسفہ کا پروفیسر ہو، مغربی اساتذہ سے علم حاصل کر رہا ہو اور اس کے باوجود اس میں عشق رسول کی یہ کیفیت باقی رہے ؎

یہ اس کی دین ہے جسے پروردگار دے

سفر جاری ہے۔ جہاز سمندر کی موجوں کو چیرتا ہوا منزل کی طرف بڑھ رہا ہے۔ اس وقت جہاز سرزمین عرب کے بالکل سامنے سے گزر رہا ہے ایسے موقع پر اس عاشق رسول کے قلب کی کیفیت، اس کے جذبات کا تلاطم اس کے عشق کی تڑپ اور اس کا جذب دروں ملاحظہ کیجئے۔

"اب ساحل عرب قریب آتا جاتا ہے اور چند گھنٹوں میں ہمارا جہاز عدن پہنچے گا ساحل عرب کے حضور نے جو ذوق و شوق اس وقت دل میں پیدا کر دیا ہے اس کی داستان کیا عرض کروں۔ بس دل یہی چاہتا ہے کہ زیارت سے اپنی آنکھوں کو منور کروں ؎

اللہ رے خاکِ پاکِ مدینہ کی آبرو
خورشید بھی گیا تو ادھر سر کے بل گیا

اے عرب کی مقدس سرزمین تجھ کو مبارک ہو تو ایک پتھر تھی جس کو دنیا کے معماروں نے رد کر دیا تھا مگر ایک یتیم بچے نے خدا جانے تجھ پر کیا افسوں پڑھ دیا کہ موجودہ دنیا کی تہذیب و تمدن کی بنیاد تجھ پر رکھی گئی۔ باغ کے مالک نے اپنے ملازموں کو مالیوں کے پاس حصہ لینے بھیجا لیکن مالیوں نے ہمیشہ ملازموں کو مار پیٹ کے باغ سے باہر نکال دیا اور مالک کے حصوں کی حصوں کی کچھ پرواہ نہ کی۔ بدآہ۔ اے پاک سرزمین تو وہ جگہ ہے جہاں سے باغ کے مالک نے خود ظہور کیا تا کہ گستاخ مالیوں کو باغ سے نکال کر پھولوں کو ان کے نامسعود پنجوں سے آزاد کرائے۔ تیرے ریگستانوں نے ہزاروں مقدس قدم دیکھے ہیں اور تیری کھجوروں کے سایے نے ہزاروں ولیوں اور سلیمانوں کو تمازت آفتاب سے محفوظ کر رکھا ہے۔ کاش میرے بدکردار جسم کی خاک تیرے ریت کے ذروں میں مل کر تیرے بیابانوں میں اڑتی پھرے اور یہی آوارگی میری زندگی کے تاریک دنوں کا کفارہ ہو۔ کاش میں تیرے صحراؤں میں لٹ جاؤں اور دنیا کے تمام سامانوں سے آزاد ہو کر تیری تیز دھوپ میں جلتا ہوا اور پاؤں کے آبلوں کی پرواہ نہ کرتا ہوا اس پاک سرزمین میں جا پہنچوں جہاں کی گلیوں میں اذانِ بلال کی عاشقانہ آواز گونجتی تھی۔" (مکتوب بنام مولوی انشاء اللہ خاں۔ خطوط اقبال صفحہ ۹۰-۹۱)

اس اقتباس میں جو عاشقانہ والہیت، خلوص اور تڑپ مضمر ہے اس کا صحیح اندازہ کچھ وہی شخص کر سکتا ہے جس کے دل میں عشق رسول کا دریا موجزن ہو۔

عشق رسول کا یہی جذبہ تھا جس نے آپ کے دل میں حج بیت اللہ اور دیدار روضۂ اقدس کی خواہش کو جنم دیا جو ناسور بن کر دل میں گھر کر گئی تھی کیونکہ آپ کو اس بات کا اعتراف تھا کہ ان کا وجود رسول اکرمؐ کا احسانمند ہے ان کی روح میں جو اضطراب و بے چینی کی کیفیت موجود تھی وہ بھرپور اظہار کے لئے مضطرب تھی اور یہ اظہار مزار مقدس کی حاضری میں ہی ممکن تھا۔

ہوا ہو ایسی کہ ہندوستان سے اے اقبالؔ
اڑا کے مجھ کو غبارِ رہِ حجاز کرے

علامہ نے اپنے مکتوب مورخہ ۱۳ر جون ۱۹۳۶ء کے ذریعہ سراکبر حیدری کو تحریر کیا۔

"تنہا خواہش جو ہنوز میرے دل میں خلش پیدا کرتی ہے یہ رہ گئی ہے کہ اگر ممکن ہو سکے تو حج کے لیے جاؤں اور وہاں سے اس ہستی کے مزار پر حاضری دوں جس کا ذات الٰہی سے بے پایاں شغف میرے لیے وجہ تسکین اور سرچشمہ الہام رہا ہے۔ میری جذباتی زندگی کا سانچہ کچھ ایسا واقع ہو گیا ہے کہ انفرادی شعور کی ابدیت پر مضبوط یقین رکھے بغیر ایک لمحہ بھی رہنا میرے لئے ممکن نہیں ہو سکا۔ یہ یقین مجھے پیغمبر اسلام کی ذات گرامی سے حاصل ہوا ہے۔ میرا ہر بن مو آپ کی احسانمندی کے جذبات سے لبریز ہے اور میری روح ایک بھرپور اظہار کی طالب ہے جو صرف آپ کے مزار مقدس پر ہی ممکن ہے اگر خدا نے توفیق بخشی تو میرا حج اظہار تشکر کی ایک شکل ہو گی!"

ایک مرتبہ عبدالرحمٰن طارق صاحب اقبال سے ملاقات کرنے ان کی کوٹھی پر گئے۔ دیکھا کہ آپ پر ایک عجیب وجد و کیف کا عالم طاری ہے۔ آنکھوں سے آنسو رواں ہیں اور بار بار پڑھ رہے ہیں ؎

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنیدؒ و بایزیدؒ ایں جا

ترجمہ: آسمان کے نیچے ایک ایسی ادب گاہ ہے جو عرش سے بھی نازک تر ہے۔ یہاں تو جنیدؒ و بایزیدؒ جیسی بزرگ ہستیاں بھی سانس گم کئے ہوئے (ادب و احترام سے) حاضر ہوتی ہیں۔

طارق صاحب کے کہنے پر اقبال نے وہ مجبوریاں بتائیں جن کی وجہ سے وہ سفر حج نہ کر سکے اور کہنے لگے کہ "فراق رسول میں مرغ بسمل کی مانند تڑپ رہا ہوں اور سوز و درد کا شب و روز لطف لیتا ہوں"۔ یہ کہتے کہتے پھر آنکھیں اشکبار ہو اٹھیں اور اپنی رباعی پڑھنے لگے ؎

غم راہی نشاط آمیز تر کن
فغانش را جنوں آمیز تر کن
بگیر اے ساربان راہِ درازے
مرا سوزِ جدائی تیز تر کن

ترجمہ: اے ساربان راہ حجاز اس راہی کے غم میں زیادہ خوشی کا اضافہ کر اور اس کی آہ و فغاں میں کچھ اور جنون عشق شامل کر۔ اے ساربان منزل محبوب کی جانب کوئی راہ دراز اختیار کر اور اس طرح میرے سوز جدائی کو اور تیز کر دے۔

عاشق رسول کے اس اضطراب کے باوجود اور سفر حج کی اس شدید خواہش کے ہوتے بھی اقبال اپنی زندگی میں حج نہ کر سکے۔ انہیں اگرچہ سفر یورپ کے درمیان متعدد مواقع ملے تھے کہ دیار حبیب کی زیارت سے اپنی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچا لیتے مگر اقبال خلوص عشق اور عظمت محبوب کے خلاف سمجھتے تھے کہ اس طرح اقدس پر حاضری دیں۔ ان کی شدید خواہش تھی کہ دیار حبیب کا سفر اس طرح کریں کہ معیار عشق رسوا نہ ہو سکے نتیجہ یہ ہوا کہ نہ حالات نے کروٹ بدلی اور نہ وسائل نے یاوری کی کہ ان کی یہ خواہش تکمیل کو پہنچ سکتی ممکن ہے کہ ساربان کو راہ دراز کا مشورہ دعا بن کر باب قبول تک پہنچ گیا ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خدا تعالےٰ کو اپنے محبوب کے عاشق کی یہ ادا اور ہجر کی اس لطف آمیز تڑپ پر پیار آ گیا ہو اور لذت وصل سے اس آگ کو ٹھنڈا کرنے کے بجائے اسے اور بھڑکاتا رہا ہو۔ ممکن ہے کہ اس نے سوچا ہو کہ اسکے خلوص عشق کا صلہ زیارت مزار حبیب نہیں ہے شاید اس لئے سارے مادی پردوں سے بے نیاز کر کے ۱۹ر اپریل ۱۹۳۸ء کو اسے وہاں بلا لیا جہاں دیدار حبیب سے مستقل طور پر اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک حاصل کرتا رہے، چنانچہ کیف و مستی کے عالم میں سرشار ؎

سرودِ رفتہ باز آید کہ ناید
نسیمے از حجاز آید کہ ناید
سر آمد روزگارے ایں فقیرے
دگر دانائے راز آید کہ ناید

پڑھتے ہوئے علامہ اقبال اس عالم آب و گل کی بیڑیوں کو توڑ کر دیار عالم ارواح کو چلے گئے۔

نشانِ مردِ مومن با تو گویم
چوں مرگ آید تبسم بر لب اوست

"قلم کے واسطے جبریل کا ممکن جو شہپر ہو"

غلام صابر قدیری سندیلوی۔ ۲۷ دریائی ٹولہ پاٹانالہ لکھنؤ

رقم پھر بھی نہ خاطر خواہ توصیف پیمبر ہو
نظر کے سامنے جب گنبد خضرا کا منظر ہو
بلندی پر سوا نیزے کی جب خورشید محشر ہو
صدائے العطش کیوں آئے لب پر تشنہ کاموں کے
جبین شوق جب سجدہ کناں ہو باب اقدس پر
چلوں پلکیں بچھاتا سجدے کرتا ان کی گلیوں میں
جہاں سارا معطر ہے جب اک موئے مبارک سے
رسول حق کی خوشنودی بھی ممکن ہی نہیں ممکن

قلم کے واسطے جبریل کا ممکن جو شہپر ہو
تو حاصل کیوں نہ پھر مجھ کو سکون قلب مضطر ہو
گنہگاروں پہ یارب سایہ گستر ان کی چادر ہو
کرم فرمائیوں پر خود ہی جب ساقی کوثر ہو
بلند اوج ثریا سے نہ کیوں میرا مقدر ہو
جو قسمت سے مدینے کی مجھے زیارت میسر ہو
خدا معلوم کیا حالت ہو گر زلف معنبر ہو
نہ جب تک دل حب آل و اصحاب پیمبر ہو

دعا صابر کی ہے یارب کہ جب ہو نزع کا عالم
مرے پیش نظر سرکار کا روئے منور ہو

سید اصغر حسین صاحب ایڈوکیٹ کی وفات: ندوۃ العلماء کے رکن انتظامی، سابق گورنمنٹ ایڈوکیٹ، مشرقی تہذیب و قدیم شرفاء کے اہم نمائندے، لکھنؤ کی معروف دیندار اور علم دوست شخصیت جناب سید اصغر حسین صاحب ایڈوکیٹ ۲۳ر اپریل ۱۹۷۹ء کو رحلت فرما گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم بڑے بخیر بزرگ تھے اور انکا تعلق شہر کی کئی دینی اور تعلیمی انجمنوں سے تھا، مرحوم کی نماز جنازہ مولانا علی میاں مدظلہٗ نے پڑھائی اور تدفین عیش باغ کے قبرستان میں ہوئی ———

اللہ تعالیٰ مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

اظہار تشکر: میرے والد صاحب کے سانحۂ وفات کی خبر کئی حضرات نے مجھے زبانی اور بذریعہ خطوط تعزیت کی ہے ان تمام حضرات کا تہ دل سے ممنون ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کو بہترین جزا عطا فرمائے۔

احمد جلیس ندوی

سانحہ کشمیر اور اس کے اسباب

ایک کشمیری کا جائزہ

میرے محترم و مکرم بھائی ایڈیٹر صاحب تعمیر حیات

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'

"سانحہ کشمیر اور اس کے اسباب" کے عنوان سے ۴ صفحات پر مشتمل ایک روداد غم ارسال خدمت ہے۔ براے کرم اسے اپنے موقر جریدے کی قریبی اشاعت میں جگہ دیجئے اور اس کا عربی ترجمہ کر کے اسے عرب دنیا کے اخبارات تک بھی پہنچائیے تاکہ عرب دنیا کے اسلام پسند حلقے بھی کشمیر کی طرف متوجہ ہوں۔ ڈر ہے کہ اگر دنیائے اسلام نے فوری طور پر کشمیر کی طرف اپنی توجہ نہ دی اور اس کی خاطر کوئی منصوبہ نہ بنایا تو آئندہ چند برس میں کشمیر سے اسلام رخصت ہو جائے گا اور اسلام پسندوں کی تذلیل اور لوٹ مار کا موجودہ سلسلہ جاری رہا تو کسی کو اسلام کا نام لینے کی جرأت نہ ہوگی۔ بھٹو کے نام پر کشمیر میں لادین عناصر نے اسلام اور قرآن پاک کی توہین کرنے اور شعائر اسلام کے خلاف نفرت پھیلانے کا منصوبہ بند سلسلہ شروع کر دیا ہے۔ امید ہے کہ آپ حضرت مولانا علی میاں صاحب ندوی اور دیگر جید علماء ہند اور اسلامک سکریٹریٹ کو اور دوسری عالمی اسلامی تنظیموں کو بھی کشمیر میں اسلام کے خلاف سازشوں سے آگاہ کریں گے اور اس سلسلہ میں تدابیر پر غور ہوگا۔

تازہ غدر میں اجڑے ہوئے کشمیری مسلمانوں کی بحالی کے لیے بھی آپ کے فراخدلانہ مدد کی ضرورت ہے۔

خیر اندیش

ایک کشمیری مسلمان

★

۴ر اپریل کو راولپنڈی میں مسٹر بھٹو سولی پر لٹکائے گئے۔ اس خبر کے آنے کے ساتھ ہی وادی کشمیر کی زندگی رک گئی اور گلی گلی بھٹو شروع ہو گئے، جنھوں نے فوراً ہی تشدد اور بربریت اور درندگی کی شکل اختیار کر لی۔ اس طرح ۴ر اپریل کی صبح سے ۶ر اپریل کی شام تک وادی کشمیر خاص کر اس کے گاؤں لوٹ مار اور آتش زنی میں ڈوب گئے اور اب سارا کشمیر غم ناک اور اداس ہے۔

کشمیر کی وادی میں پاکستان کے سربراہان مملکت اور وزراء اعظم مقبول رہے ہیں، لیکن ان سب میں مسٹر بھٹو کشمیر کے عوام میں مقبول ترین لیڈر بن گئے۔ لیکن یہ حیرت ہے کہ گزشتہ ۳۰-۳۲ برس میں صرف دو پاکستانی لیڈروں کو کشمیریوں نے کم ہی پسند کیا ہے۔ ان میں سے ایک تھے قائد اعظم محمد علی جناح اور دوسرے ہیں موجودہ صدر جنرل محمد ضیاء الحق جن سے نفرت کرنا اور کرانا کشمیر کے عوام و خواص کا ایمان بنایا گیا۔ اور اب جو ضیاء الحق صاحب کو پسند بھی کرتا ہے وہ اپنی بے عزتی اور مار پیٹ کے خوف سے ایسا اظہار نہیں کر سکتا۔ ایک شیر خوار بچے سے لے کر ایک صد سالہ بڑھیا تک، ایک گنوار سے لیکر ایک مولوی اور واعظ سب پر مسٹر بھٹو کی قصیدہ خوانی اور صدر ضیاء الحق کی عیب چینی فرض قرار پائی ہے۔ مسٹر بھٹو کی تعریف اور صدر ضیاء الحق کی تحقیر کے بغیر کوئی کشمیری مسلمان مسلمان تسلیم نہیں اور کوئی عالم اور دانشور، دانشور مانا نہیں جائے گا۔ اس تعصب اور جہالت کے اسباب بھی ہیں۔ مسٹر بھٹو ایک ایسی شعلہ نوا شخصیت کا نام تھا جس نے کردار اور عمل کے غازی کا نہیں بلکہ گفتار کے غازی بننے کی طرف اپنی توجہ لگائی۔ وہ ۳۰ برس میں پہلے پاکستانی حکمران تھے، جنھوں نے نشر و اشاعت اور ابلاغ عامہ کے تمام ذرائع کو اپنی شخصیت اور مستورات کے لیے مسلسل استعمال کیا۔ وہ ریا اور مکر سے اپنی زندگی اور سیاست چلاتے تھے۔ وہ ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر تقریر کرنے آتے تو کئی کئی گھنٹے اپنی خسہ نوائی اور ہرزہ سرائی سے سامعین اور ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے ضائع کر دیتے تقریباً ہر رات ریڈیو پاکستان مسٹر بھٹو کی تقریروں کے ٹیپ بجاتا اور کوئی نہیں تو کم از کم کشمیری مسلمان گھرانوں میں یہ تقریریں بڑی مقبول ہو رہی تھیں۔ سیاسی اداکاری اور ڈراموں میں مسٹر بھٹو کا جواب نہ تھا۔ وہ اپنے معمولی ایکٹ کو بھی بڑھا چڑھا کر پیش کرتے تھے اور اپنے برے اور غلط کاموں کو بھی نیکی کا لبادہ اوڑھتے تھے۔ کشمیر اور آزاد کشمیر میں تحریک آزادی کشمیر کو ختم کروانے کے لیے انہوں نے کیا چالیں چلیں وہ تو سوچ سمجھ رکھنے والوں کو معلوم ہیں۔ لیکن جمہوریت کا نعرہ دے کر انہوں نے کشمیریوں کو یہ تاثر دیا کہ صرف مسٹر بھٹو کشمیر کو آزاد کرا سکتے ہیں۔

سابق وزیر اعظم اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے سارے پاکستان میں غیر مقبول ہو گئے، لیکن کشمیری ظاہر پرست ہو کر صرف مسٹر کی [illegible] کرتے رہے۔

آخر جب کشمیریوں کو پتہ چلا کہ جنرل ضیاء الحق نے مسٹر بھٹو کو اقتدار سے الگ کر دیا ہے تو وہ جنرل ضیاء الحق کے خلاف ہو گئے، جب مسٹر بھٹو کے خلاف لاہور ہائی کورٹ نے نواب محمد احمد خاں کے قتل کے مقدمہ کی سماعت شروع کر دی تو جنرل ضیاء الحق کے خلاف نفرت اور زیادہ تیز ہو گئی۔ اس نفرت کو اور بھی بھڑکانے میں بی۔ بی۔ سی اور ہندوستان کے اردو پریس نے اہم کردار ادا کیا پاکستان حکومت کی تذلیل کرانے اور مسٹر بھٹو کی محبت Play up کرانے میں کشمیر کے عوام میں دہلی کے دو اخبارات "عوام" اور "نئی دنیا" نے سب سے زیادہ گھناؤنا کردار ادا کیا۔ اس چیز سے ان دونوں نے اپنی سستی صحافت اور غیر ذمہ دارانہ تحریروں کے ذریعہ کشمیر کے عوام کو گمراہ کر دیا۔ دوسری طرف سے سیاسی جماعتوں کے لیڈروں اور مسجدوں کے اماموں اور واعظوں نے بھی پاکستان، حکومت پاکستان، پاکستان قومی اتحاد کے لیڈروں اور پاکستان کے علماء کے خلاف گھروں اور آستانوں میں ایک بھیانک نفرت انگیز مہم شروع کی جو آج بھی شدت کے ساتھ جاری ہے۔ وادی کے چھوٹے بڑے شیعہ مولویوں، بعض سنی مولویوں اور اہل حدیث واعظوں نے اس نفرت انگیز مہم کے چلانے میں ایک دوسرے پر سبقت لینے کی کوشش کی اور مساجد پر پاکستان کے بعض علماء اور ان کی تصنیفات پر کفر کے فتوے جاری کیے جانے لگے کشمیر کے کمزور کمیونسٹوں کے حوصلے بھی بلند ہو گئے اور انہوں نے بھی عوام میں اسلام پر نکتہ چینی شروع کر دی۔ لاہور ہائی کورٹ نے مسٹر بھٹو کو قتل کا مجرم قرار دیا تو یہ لوگ پاکستان کے خلاف وادی کی سڑکوں پر نکل آئے اور بعض دیہات میں تشدد کے واقعات پیش آئے اور جگہ جگہ داڑھی کی [illegible] پر حملے کیے گئے اور اسلامی درسگاہوں کے [illegible] اتارے گئے۔ جب سپریم کورٹ نے اس سزا کی توثیق کی تو پھر سے وادی بھر میں پاکستان اور سربراہ مملکت کے خلاف احتجاج ہوا، جب نگرانی کی اپیل مسترد ہوئی تو کشمیر کے عوام اور زیادہ مشتعل ہو گئے اور جب مسٹر بھٹو کو لٹکایا گیا تو ساری وادی میں ۳ روز تک وسیع پیمانے پر لوٹ مار اور آتش زنی کی وارداتیں ہوئیں مکانات اور دوکانیں راکھ کا ڈھیر بنائے گئے لاکھوں روپے کا مال و اسباب گھروں اور دوکانوں سے لوٹ لیا گیا، ایک نامعلوم تعداد قتل کی گئی۔ عورتوں کی آبرو ریزی کی گئی۔ مویشیوں پر ڈنڈے برسائے گئے، مرغ مرغیوں تک کو چھین لیا گیا۔ ضلع اسلام آباد میں کئی گاؤں کھنڈرات بنائے گئے اور ضلع بارہمولہ میں باندی پورہ کی تحصیل میں سب سے زیادہ تباہی مچائی گئی۔ ساری وادی میں ہزاروں کنال پر پھیلے ہوئے باغات میں پائے جانے والے سیب اور دوسرے میووں کے درخت کاٹ کر گرائے گئے۔ لوگوں کی داڑھیاں شیو کی گئیں۔ جماعت اسلامی کشمیر کے تمام دفاتر اور درسگاہیں تہس نہس کر دئے گئے اور قرآن پاک اور دوسری دینی کتابوں کو پاؤں سے روندا گیا اور جلایا گیا۔ نہ صرف صدر ضیاء الحق بلکہ علماء کی تذلیل کرنے کے لیے ان کے پتلے جلائے گئے یا ان علماء کے پتلوں کے ساتھ فحش عبارت لکھ کر ان کو دیواروں اور بجلی کے کھمبوں پر آویزاں کیا گیا ہے۔ ساری [illegible]

مصر میں اسلامی بیداری کو کچلنے کے لیے

لجنۃ مکافحۃ التطرف الإسلامی کی

گمراہ کُن رپورٹ

ترجمہ وتلخیص: محمد صدر الحسن ندوی

ایران میں اسلامی بیداری کے اثرات سے خوفزدہ ہو کر صدر سادات نے "لجنۃ مکافحۃ التطرف الاسلامی" کے نام سے ایک کمیٹی کی تشکیل کا حکم دیا تھا جس کا مقصد اسلامی بیداری کے اسباب کی چھان بین اور اس کو کچلنے کی تدابیر کا جائزہ لینا تھا۔

حسن التہامی اس کمیٹی کے چیرمین تھے انہوں نے صدر سادات کے حکم کے مطابق مجوزہ کمیٹی کی تشکیل کی اور اس سلسلے کی جو رپورٹ انہوں نے صدر سادات کے سامنے پیش کی ہے اس کے متن کا اردو ترجمہ نذر قارئین کر رہے ہیں تاکہ اس معاملہ کی اہمیت اور اس سے پیش آنے والے سنگین نتائج ان کے سامنے آجائیں۔

یہ متن ایک خط سے شروع ہوتا ہے جس میں اس کمیٹی کے چیرمین حسن التہامی نے صدر سادات کے نام خط کے ذریعہ اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ آپ کی ہدایت کے مطابق میں نے "لجنۃ مکافحۃ التطرف الاسلامی" کی تشکیل کی اور اسلامی بیداری کے اسباب اور اسے کچلنے کی تدابیر پر کافی غور وخوض کیا اور آپ کے حکم کے مطابق آخری ترتیب شدہ رپورٹ اسرائیل کے وزیر اعظم بیگن کے مشیر برائے امور دینیہ اور امریکی سفارت خانہ کے اسلامی امور سے متعلق مشیر کے سامنے پیش کر دی گئی اور انہوں نے اس رپورٹ میں مناسب تبدیلیاں کیں۔ اس خط کے نیچے حسن التہامی کی دستخط ثبت ہے۔

(الف) مقدمہ

آپ کی ہدایات کے مطابق اس کمیٹی نے جماعت الاخوان المسلمون کے زور کو ختم کرنے کے لیے جو ملکی سیاست میں حصہ لیتی رہتی ہے ایک خاص کمیٹی کی تشکیل کی ہے جس کا نام لجنۃ مکافحۃ تسییس الدین وتدیین السیاسۃ" ہے۔

(ب) کمیٹی کے ارکان۔

۱۔ مسٹر حسن التہامی چیرمین

۲۔ مسٹر فکری مکرم عبید نائب چیرمین

۳۔ وزیر داخلہ

۴۔ امن قومی اور کامن انٹیلیجنس کے چیرمین۔

۵۔ امن قومی کی تحقیقاتی کمیٹی کے چیرمین

۶۔ جنگی خبر رساں ایجنسی کے چیرمین

(ج) وہ اشخاص جن کی اس کی سلسلہ میں خدمات حاصل کی گئیں،

۱۔ اسلامی یونیورسٹیوں، مدارس اسلامیہ اور الاخوان المسلمون کی سرگرمیوں سے واقف افراد۔

۲۔ غبط بابا شنودہ کے نائب جو اسلامی انجمنوں میں ہم آہنگی پیدا کرنے کے ذمہ دار ہیں۔

۳۔ امریکہ سفارت خانہ میں اسلامی امور سے متعلق مشیر۔

۴۔ وزیر اعظم بیگن کے مشیر برائے امور دینیہ۔

مراجع جن سے اس سلسلہ میں معلومات اخذ کی گئیں۔

۱۔ شہنشاہی دور کے حکومت برطانیہ کی رپورٹ۔

۲۔ سابق صدر نقراشی اور صدر عبد الہادی کے زمانہ کی سیاسی فوجی رپورٹ۔

۳۔ وفد حکومت کی رپورٹ۔

۴۔ مباحث عامہ کی ۱۹۵۵ء تک کی رپورٹ۔

۵۔ روسی سفارت خانہ کی رپورٹ سنہ ۱۹۵۵ء سے سنہ ۱۹۶۷ء تک۔

۶۔ وزیر اعظم کی سربراہی میں سنہ ۱۹۶۵ء کی کمبائنڈ کمیٹی کی رپورٹ۔

اس چھٹی رپورٹ کا تعلق "الاخوان المسلمون" سے ہے۔ اسی رپورٹ کے بعد جماعت پر مکمل پابندی لگا دی گئی تھی جس سے آج تک وہ عہدہ برآ نہ ہو سکی۔

رپورٹ کا متن: جائزہ سلسلے کے تمام ذرائع استعمال کرنے کے بعد جس کا تعلق "الاخوان المسلمون" اور دوسری دینی جماعتوں مثلاً "انصار السنۃ" "عباد الرحمٰن" "التبلیغ" "شباب محمد" "الجمعیۃ الشرعیۃ" "حزب التحریر" اور مدرسوں تعلیمی اداروں، یونیورسٹیوں، مساجد کے ائمہ اور دوسری اسلامی انجمنوں سے ہے۔ کمیٹی اس نتیجہ پر پہونچی ہے کہ پوری قوت کے ساتھ "الاخوان المسلمون" کا مقابلہ کیا جائے جس نے دینی جماعت کے دائرہ سے نکل کر ایک مستقل مکتب فکر کی حیثیت اختیار کر لی ہے اور ظاہری اور اندرونی طور پر اپنی سرگرمیوں میں مصروف ہے اور ملکی اور عالمی پیمانہ پر اپنے افکار و نظریات کو پھیلانے میں ہمہ تن کوشاں ہے۔ اس کمیٹی کا یہ خیال کوئی بعید از قیاس نہیں ہے کہ "الاخوان المسلمون" کی ہی سرگرمیاں اور اس کے نظریات خمینی کے ذریعہ ایران میں اسلامی انقلاب کی شکل میں رونما ہوئے ہیں۔ حسن الہضیبی نے ۱۹۵۴ء میں مصر میں اسلامی انقلاب لانے کے لیے جو پالیسی اختیار کی تھی (جسے مصری حکومت نے کچل دیا تھا) وہی پالیسی ایران میں اسلامی انقلاب لانے کے لیے خمینی اور ان کے اعوان و انصار کے پیش نظر رہی ہے۔ اور وہ اس طریقہ پر کہ عوام کے جذبات کو بھڑکایا جائے جس سے اعلیٰ پیمانے پر مظاہرے شروع ہو جائیں اور جسے مساجد کے ائمہ اپنی شعلہ بیانی کے ذریعہ تقویت دیتے رہیں۔ اس سے فوجی کیمپوں، ذرائع ابلاغ و نشریات اور سیاست عامہ کے ذمہ دار افراد پر اثرات پڑتے ہیں اور وہ مستقبل کے بارے میں سوچنے پر مجبور ہوتے ہیں کہ آیا وہ موجودہ حکومت کا ساتھ دیں یا انقلابی پارٹی کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر انقلاب کو کامیاب بنائیں۔

ان اسباب کی بنا پر کمیٹی نے مندرجہ ذیل تجاویز منظور کیں:۔

۱۔ جماعت الاخوان المسلمون کے ذمہ داروں اور ان کے پیروکاروں پر کڑی نگاہ رکھی جائے۔

۲۔ ان کے نظریات کو ان کے دماغ سے محو کرنے کی پالیسی اپنائی جائے۔

۳۔ ان کے نظریات دوسروں تک پہنچنے سے روکنے کی تدبیر اختیار کی جائے۔

مقاصد تک پہونچنے کے لیے مجوزہ پالیسی:

۱۔ مدارس اسلامیہ میں تاریخ اسلام کی تعلیم و تدریس کا جو موجودہ طریقہ ہے (اور جس میں پندرہ سال میں تبدیلیاں بھی ہوئی ہیں) وہ لاشعوری طور پر جدید نسل کے ذہنوں میں دین کو سیاست سے جوڑتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اسلامی افکار کو بہت جلد اپنا لیتے ہیں۔

۲۔ اخوانی طرز فکر کے حاملین اور دانشوروں کا وہ طبقہ جس میں اسلامی میلان پایا جاتا ہے ان دونوں کے درمیان فرق کرنا بہت ہی مشکل ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دانشوروں کی جماعت فوراً اخوانی طرز فکر کی گرویدہ ہو جاتی ہے اور اسے اپنا لیتی ہے۔

۳۔ اخوانی نظریہ کے حاملین افراد موجودہ معاشرتی زندگی سے بہت ہی نالاں ہیں اور اسے گندگی تصور کر کے اس سے الگ رہنا ہی بہتر سمجھتے ہیں۔

۴۔ اخوان کے اکثر افراد فکری قوت سے بھرپور ہیں اور ان کے اندر ایسی قوت ہے جو ان کو دعوت علم و عمل دیتی ہے۔ اسی لیے وہ علمی اور عملی میدان میں سب سے فائق نظر آتے ہیں اور اپنا ایک معتد بہ حصہ وقت جماعت کی سرگرمیوں میں صرف کرتے ہیں۔

۵۔ جس ماحول میں وہ کام کرتے ہیں بہت

وہاں اس کے ایجابی اثرات مرتب ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔

۶۔ ان کے آپسی شخصی اور اجتماعی تعلقات سے ان کے باہمی روابط اور ایک دوسرے پر اعتماد و شوق نے ایک آہنی دیوار کی حیثیت اختیار کر لی ہے جس کو گذشتہ سالوں میں قید و بند اور ایک دوسرے کے خلاف بغض و کینہ کی خلیج حائل کر کے ختم کرنے کی کوشش کی گئی لیکن مرور زمانہ کے ساتھ یہ کوششیں بیکار ثابت ہو گئی ہیں۔

۷۔ ان کے درمیان ایسا فکری توازن اور روحانی ہم آہنگی اور مساویانہ سلوک اور طرز عمل ہے جو ان کو ایک دوسرے سے جوڑتی ہے چاہے ان کے درمیان کوئی خونی رشتہ نہ ہو۔

۸۔ حکومت کو ان کوششوں کے باوجود جو ۱۹۳۶ء سے جاری ہیں کہ عوام و خواص کو یہ بات باور کرائی جائے کہ یہ جماعت اپنے سیاسی مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے دین کا نام لا رہی ہے۔ لیکن اس جماعت کے عمومی و خصوصی روابط کی بنا پر اس کے اثرات زائل ہو گئے ہیں اور لوگوں کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ دین کا سیاست سے گہرا تعلق ہے۔

۹۔ ۱۹۴۸ء اور ۱۹۵۱ء کی فلسطین اور سوئز جنگ میں الاخوان المسلمون کی شرکت نے یہ بات لوگوں کے اندر بٹھا دی ہے کہ یہ لوگ محض پروپیگنڈہ ہی نہیں کرتے بلکہ یہ بہادر ہیں جو قومی سلامتی کے لیے ہر چیز کی قربانی دینے کے لیے تیار ہیں۔

۱۰۔ وہ اسلام کے متوازی تمام افکار سے بھاگتے ہیں۔ اسی لیے ان کا عربی قومیت، کمیونزم اور مغربی سیاست سے کوئی تعلق نہیں ہے جو اس بات کی ضمانت ہے کہ وہ اپنے افکار و نظریات میں مستقل بالذات ہیں۔

ان وجوہات کی بنا پر کمیٹی نے اس بات کا فیصلہ کیا ہے کہ اس کا مقابلہ کرنے کے لیے جدید پالیسی اپنائی جائے۔

۱۔ پہلی پالیسی کے تحت دین کو سیاست سے الگ کرنے کی بھرپور کوشش کی جائے

۲۔ دوسری پالیسی یہ ہونی چاہیے کہ انکار کے حاملین افراد کو فکری، روحانی اور مادی اعتبار سے مفلوج بنا دیا جائے۔

اور ان دونوں پالیسیوں کو بروئے کار لانے کے لیے مندرجہ ذیل طریقۂ کار کو اپنانے کی ضرورت ہے۔

(الف) عام سیاسی تدابیر

۱۔ مدارس اسلامیہ میں تاریخ اسلام سے متعلق نصاب میں تبدیلی لائی جائے جس کا مقصد یہ ہو کہ مذہب کا تعلق اخلاقی اور معاشرتی مسائل سے ہے اور سیاست ایک الگ چیز ہے اور اس کے ساتھ خلافت اور خاص کر خلافت عثمانیہ کے مفاسد بیان کئے جائیں اور اس بات کو عام کرنے کی کوشش کی جائے کہ مغرب نے اسی وقت ترقی کی جب اس نے مذہب کا جوا اپنی گردن سے اتار کر پھینک دیا۔

۲۔ معاصر روحانی شخصیتوں کے افکار کا بغور مطالعہ کیا جائے اور ان کو بدنام کرنے کی امکانی کوششیں کی جائیں۔

۳۔ یونیورسٹی کے بعض لیڈر طالب علموں کو جن کا تعلق اخوان سے ہو بالواسطہ ان کو ابھارا جائے اور ہتھیاروں اور ٹھاخوں کے حصول میں ان کو سہولت بہم پہنچائی جائے تاکہ وہ ان لوگوں کو ختم کر سکیں جو اخوان کو پسند نہیں کرتے۔ پھر ان کی سخت گرفت کی جائے تاکہ وہ دوسروں کے لیے درس عبرت بنیں اور اس کے لئے "جماعۃ التکفیر" کے استعمال کو ہوا دی جائے۔

۴۔ یونیورسٹی اور عام ملازمت میں صنف نازک کا خاص خیال رکھا جائے تاکہ ان کے ذریعہ اسلامی جماعتوں اور اس کے ارکان کے زور کو ختم کرنے میں آسانی ہو کیونکہ یونیورسٹیوں کے طلباء اور لڑکیوں کے تعلقات جذباتی ہوتے ہیں اور اس لیے بھی کہ عورتیں اسلامی تحریک اور اس کے مطابق قید و بند کی زندگی پسند نہیں کرتیں جیسا کہ ایران میں آزاد پسند عورتوں نے تحریک اسلامی کے خلاف مظاہرہ کیا تھا۔

۵۔ بارش اور اسلامی تحریک سے متاثر حضرات اور ان کے رشتہ داروں کو مدارس، معاہد اور یونیورسٹی کی ملازمت سے کلی طور پر محروم رکھا جائے اور فوج، پولیس اور سیاسی اطلاعات و نشریات کے مراکز میں ان کی تقرری مطلقاً نہ کی جائے اور جو لوگ ان میں موجود ہیں انہیں دوسری جگہوں پر منتقل کر دیا جائے۔

۶۔ ان کے باہمی روابط اور اعتماد کو کلی طور پر ختم کرنے کے لیے یہ تدبیر اختیار کی جائے کہ ان کے ساتھیوں کی طرف سے ان کے دوستوں کے پاس ایسے خطوط لکھے جائیں جن میں اس بات پر زور ہو کہ میں آپ سے ملنا نہیں چاہتا۔

۷۔ جو جماعتیں بھی اس جذبہ کی حامل ہوں ان کے معاملہ کو الاخوان المسلمون کیساتھ ملا دیا جائے۔

۸۔ اصحاب عقل و بصیرت کے سامنے علمی اور عملی میدان میں عمل کے ظہور کے مواقع ختم کر دیے جائیں۔

۹۔ دینی طرز فکر کے حاملین افراد کو یونیورسٹیوں، مدارس یا نشر و اشاعت کے شعبوں میں ملازمت نہ دی جائے۔

۱۰۔ کمیونزم کے اثرات کو روکنے کے لیے دینی شخصیتوں کی کوششوں پر پابندی لگا دی جائے اور دینی اثرات کو روکنے کے لیے کمیونسٹوں کی کوششوں کو سراہا جائے اور اس میں سُرعت پیدا کی جائے۔

۱۱۔ فلسطین اور سوئز کی جنگ کے سلسلہ کی اخوان کی خدمات کو محو کرنے کی یہ تدبیر اپنائی جائے کہ ایسے کتابچے عام کیے جن میں اس بات کی صراحت ہو کہ اخوان کا انگریز سے پیکٹ تھا۔

۱۲۔ سیاسی طور پر ایسی چال چلی جائے جس سے سعودی عرب، خلیجی ممالک اور اخوان کے درمیان کشیدگی پیدا ہو جائے اور اس سلسلے میں امریکی حکومت کے ذرائع ابلاغ استعمال کیے جائیں تاکہ اخوانیوں کا محاصرہ آسان ہو جائے۔

۱۳۔ کمیونزم کا نظریہ معاشرت کا اسلامی نظریہ معاشرت سے مقابلہ کرنے کی طرف توجہ مرکوز کی جائے کیونکہ کمیونزم اپنے نظریہ معاشرت سے دستبردار ہونا شروع ہو گیا ہے جب کہ اس نے دیکھ لیا کہ وہ موجودہ زمانہ سے ہم آہنگ نہیں ہے۔

۱۴۔ اس بات کی بھرپور کوشش کی جائے کہ ازہر کو ایک کلاسیکی ادارے میں تبدیل کر دیا جائے تاکہ دین پیشہ علماء کا جو ایک سیل رواں نکلتا رہتا ہے وہ بند ہو جائے اسی وقت یہ ممکن ہو سکے گا کہ مساجد کے ائمہ، اساتذہ اور دینی شخصیتوں کے نظریات و افکار میں تبدیلی لائی جا سکے، اور اس کی بھی کوشش کی جائے کہ ذرائع نشر و اشاعت اور پروپیگنڈے کے ذریعہ طٰہٰ حسین اور اس کے متبعین کے نظریات کو عام کیا جائے۔

(ب) موجودہ مورچوں کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت۔

(الف) اصحاب حل وعقد (ب) ان کے ظاہری ذرائع نشر و اشاعت (ج) نئی شخصیتیں۔

(الف) ۱۔ اصحاب حل وعقد جن میں مرشد عام کی حیثیت سب سے بلند و ارفع ہے ان کے ساتھ ایسی سیاست چلی جائے جس سے ان کی طاقت جواب دیدے کیوں کہ اس وقت ان کی عمر ۷۰ سال ہے اور ان کی صحت بھی جواب دے چکی ہے کیونکہ انہوں نے مستقل بیس سال تک مصر کے مختلف جیلوں میں اپنی زندگی کے دن گذارے ہیں۔ ان کا وقت اس طرح برباد کیا جائے کہ ذمہ داروں سے مستقل ملاقاتیں ہوں، جلسوں میں شرکت کی دعوت دی جائے ان کے ساتھ بحث و تمحیص ہو، اس طرح انکی طاقت جواب دے دیگی لیکن کسی بھی سبب سے ان کو جیل میں بند کرنے کی سیاست سے پرہیز کیا جائے تاکہ انہیں اس بات کا احساس نہ ہو کہ پھر جیل کے دروازے ان کے لیے کھل گئے ہیں۔

۲۔ مدارس اور یونیورسٹیوں میں جلد از جلد امتحان دے دلا کر تعلیمی سال کو ختم کر دیا جائے کہ ان مدارس اور یونیورسٹیوں کے دیندار اساتذہ و طلباء جو یہاں کی انجمنوں کے ممبر ہیں اور اپنی تقریروں اور تحریروں سے لوگوں کو ابھارتے رہتے ہیں اور ہڑتالوں اور مظاہروں پر آمادہ کرتے ہیں اس کا دروازہ بند ہو جائے۔

(ب) ذرائع نشر و اشاعت میں "الدعوۃ" اور "الاعتصام" کی سب سے زیادہ اہمیت ہے اور وہ ہمیشہ "اخبار الیوم" کے پریس میں چھپتے رہتے ہیں اس لیے ضروری ہے کہ اس کے مسودات کی ہمیشہ نگرانی کی جاتی رہے۔

مشہد جمشید پور

جمشید پور کے سلسلے میں ابھی پوری اطلاعات نہیں آئی ہیں جو سیاسی لوگ وہاں گئے ہیں وہ مارے جانے والوں کی کم سے کم تعداد ۱۰۵ بتاتے ہیں اور زیادہ سے زیادہ ۵ سو۔ لیکن افواہوں کی زبان سے یہ تعداد ۱۱ سو تک جا پہنچی ہے۔ جائداد کی تباہی اور لوٹ مار کی رقم بھی کروڑوں کے اندر بتلائی جاتی ہے بہرحال مارے جانے والوں کی تعداد گیارہ سو ہو یا ۵ سو یا ۱۰۵، یا بالفرض اس سے بھی کم، اور جائداد کروڑوں کی ہو یا لاکھوں کی یا ہزاروں کی یہ بات مارنے والوں کے ذہن میں نہیں آئی کہ یہ بانٹنے نہیں کے ہیں یہ مال و دولت نہیں کاٹا ہے یہ سرزمین اپنی ہی ہے یہ جو کچھ کیا جا رہا ہے اپنے ہی ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ لگ رہا ہے جس علاقے میں یہ ہو رہا ہے لوگ اس کے منہ پر تھوکیں گے اور کہیں گے کہ یہ انسانوں کا نہیں جانوروں کا جنگل ہے جس دھرم اور جس پارٹی سے تعلق رکھنے والوں نے یہ آگ بھڑکائی ہے کون ہے جس کے دل میں اس کی محبت باقی رہ جائے گی جسم کے زخم مندمل ہو ہی جائیں گے۔ جن ماؤں کی کوکھ کے بچے مارے گئے جن کے سہاگ لٹے جو یتیم بنے اور جن کی عمر بھر کی کمائی لوٹ لی گئی ان تکلیفوں کو بھی جس طرح ۳۰-۳۱ سال میں برداشت کر لیا گیا اور تلافی کی کوشش ہوئی اب پھر یہ کوششیں ہوں گی لیکن دلوں میں جو گھاؤ پڑ چکے ہیں ان کا بھرنا مذاق نہیں۔ محبت اور یکجہتی پیدا کرنے والے ان موضوعات پر ہزاروں تقریریں کرتے اور مضمون لکھتے ہیں اور ایک فضا بناتے ہیں لیکن ایک حادثہ ان ساری کوششوں پر پانی پھیر دیتا ہے۔ جس طرح اس علاقے میں فساد کی آگ بھڑکی اور پھر جس طرح یہ معلوم ہوا کہ آس پاس کے علاقوں سے بھی آنے والے بعض لوگ پکڑے گئے جو اسلحے کر مارنے اور لوٹنے کی غرض سے جمشید پور آ رہے تھے اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس حادثے کی کھچڑی شاید پہلے سے اندر ہی اندر پک رہی تھی۔

ایک بات جس پر وہاں پہنچنے والے ہر وفد کو اب تک اتفاق رائے ہے وہ یہ ہے کہ بہار ملٹری پولیس کا رویہ اسی طرح قابل اعتراض رہا جس طرح یوپی کی پی۔ اے۔ سی۔ کا رہا ہے۔ ۱۰ اپریل کو جمشید پور کی اکھاڑہ سمیتی نے ایک اشتہار تقسیم کیا جس میں کہا گیا تھا کہ "یہ بات صاف ہے کہ تمام پولیس والے، حوالدار، ہوم گارڈ اور دوسرے لوگ ہماری مدد کے لئے پوری طرح تیار ہیں" اور یہی ہوا بھی کہ اس ملٹری پولیس نے فسادیوں کی مدد کی بلکہ یہ بھی اطلاع ملی ہے کہ اس نے خود لوٹ مار میں حصہ لیا۔ اس سب کے باوجود ریاستی حکومت نے بی۔ ایس۔ ایف اور سی۔ آر۔ پی۔ کی مرکزی پولیس سے شروع میں مدد نہیں لی اور ابتدا میں کھلی چھوٹ رہی کہ جس کا جو جی چاہے کرے۔

یہ بات ہم نے علی گڑھ کے بلوے کے موقع پر بھی کہی تھی کہ پی۔ اے۔ سی کے لوگوں کی چھان بین کی جائے اور یہی بات بہار ملٹری پولیس کے سلسلے میں بھی کہنا ضروری ہے اسی کے ساتھ جو لوگ اس موقع پر جمشید پور میں متعین تھے ان کے افسروں اور ذمہ داروں کی شناختی پریڈ کرائی جائے اور تلاشیاں لی جائیں۔ ہم نے حفاظتی پولیس کے دستے قائم کئے ہیں یا ایران کی "ساواک" تشکیل دی ہے جس کا نام سن کر لوگوں کو لوٹ مار کا خوف پیدا ہو جائے۔ کرپوری ٹھاکر صاحب جمشید پور کی عدالتی تحقیقات تو کرائیں گے ہی لیکن سی۔ بی۔ آئی یا کسی سینیر افسر کے ذریعہ بہار ملٹری پولیس کے متعینہ دستے کی تحقیقات ضروری ہے۔ دوسری بات جس پر کمیونسٹ پارٹی کے وفد اور مرکزی وزیر مملکت مسٹر فضل الرحمٰن کو اپنی اپنی جگہ اتفاق ہے یہ ہے کہ جمشید پور جنتا ایم ایل اے مسٹر دینا ناتھ پانڈے کی اشتعال انگیز تقریر نے ساری فضا کو بھڑکا دیا مسٹر پانڈے آر۔ ایس۔ ایس۔ اور جن سنگھ سے تعلق رکھتے ہیں اور یہاں بھی تقریباً وہی صورت ہے جو علی گڑھ میں نومان وغیرہ کے سلسلے میں پیدا ہوئی تھی۔ اس شخص کے ساتھ بھی کافی عرصے تک رعایت برتی گئی اور یہاں بھی شاید یہی صورت حال پیدا ہو رہی ہے۔ کرپوری ٹھاکر مضبوط ارادے کے آدمی ہیں اور انہیں کرسی کی مضبوطی کی خاطر یہ کمزوری نہیں دکھانی چاہیے جلوس کو غلط راستے سے لے جانا، آر۔ ایس۔ ایس۔ کے گرفتار شدہ کارکنوں کو رہا کرانے پر زور دینا اور ہجوم کے بل بوتے پر انہیں رہا کرا لینا ایسا راج پیدا کرنے کا سبب بن سکتا ہے کہ آئندہ ہر طبقہ اور فرقہ یہی طریقے اپنائے یہی نہیں بلکہ یہی ڈر ہے کہ اس طرح کی کھلی زیادتیوں کا فوری تدارک نہ ہونے پر ستم رسیدہ طبقے میں ردعمل کا ایک انتقامی جذبہ بھی پیدا ہو سکتا ہے جو نکسلیوں کی طرح حکومت کی چولیں ہلا دے۔

کمیونسٹ پارٹی اور جنتا پارٹی کے وفود نے اس واقعہ کی سرسری جانچ کے بعد دو الگ الگ گروہوں کو اس کا ذمہ دار قرار دیا ہے کمیونسٹ پارٹی نے سارا الزام آر۔ ایس۔ ایس پر ڈالا ہے اور اس کے کچھ دلائل دیتے ہیں ادھر جنتا پارٹی نے اندرا کانگریس۔ تنظیمی کانگریس اور ایک نام نہاد کچھڑی تنظیم کو اس کا ذمہ دار قرار دیا ہے، یہ دونوں وفود ذمہ دار لیڈروں کی سرکردگی میں گئے تھے کمیونسٹ پارٹی کے جگناتھ سرکار اور جنتا کے مادھو لیمائے دونوں کا جائزہ بہرحال وزنی ہے۔ بتایا گیا ہے کہ آر۔ ایس۔ ایس۔ کے بالا صاحب کا ۳۰ مارچ سے یکم اپریل تک یہاں قیام رہا ان کے دوران قیام میں جماعت اسلامی کے کچھ مقامی لوگوں کی ان سے ملاقات کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے جمشید پور کا یہ تناؤ کافی عرصے سے پایا جاتا ہے اور بیانات عوام کے سامنے آ ہی جانے چاہیے کہ بالا صاحب نے کیا تقریر کی۔

ادھر جنتا پارٹی نے کانگریس کے ایک ایسے شخص کو فساد کا ذمہ دار قرار دیا ہے جو ۱۹۶۴ء کے فساد میں بھی ملوث تھا۔ اسی طرح اس نے ایک نام نہاد کچھڑی تنظیم کے کیمپ کو بھی اس کا ذمہ دار قرار دیا ہے غالباً اس تنظیم سے مراد آر۔ ایس۔ ایس۔ ہی ہوگی۔

یہ سب واقعات اگر کسی تحقیقاتی کمیشن کے سپرد کیے گئے تو رپورٹ آتے آتے ساری شہادتیں معدوم ہو جائیں گی اس لئے کیوں نہ سی۔ بی۔ آئی۔ اس کی تحقیقات کرے اور اس کے لئے رستم جی اور بدرالدین طیب جی جیسے ریٹائرڈ افسروں کو نگراں بنایا جائے۔

(بقیہ ساتواں کالم)

وادی میں اسلام پسند لوگوں کی نشان دہی کر دی گئی اور ان کی بے رحمی کے ساتھ تذلیل کی گئی اور ذاتی عناد کی بنیاد پر بہت سارے لوگوں کو نشانہ بنایا گیا۔ یہ سب کچھ ایک منظم منصوبے کے تحت کیا گیا، جس میں کمیونسٹوں، لیڈروں اور دوسرے اسلام دشمن عناصر نے بھرپور حصہ لیا۔ بھولے بھالے پیشہ ور واعظ اور امام اور عام مسلمان اس سازش سے بری طرح استعمال ہو گئے۔ عام مسلمانوں کے ذہن میں یہ بات بٹھائی گئی تھی کہ پاکستان میں جنرل ضیاء الحق نے اسلام کو ختم کر دیا ہے۔ اس دوران کشمیر میں کمیونسٹ لابی سرگرم رہی اور ہندوستان کا محکمہ جاسوسی بھی سرگرم تھا اور انہوں نے اس ہنگامے کا رخ پاکستان، اور آزادی دشمنی کی طرف موڑ دیا۔ دیہات میں مختلف سیاسی جماعتوں کے کارکنوں نے بھی اپنی دوکان چمکانے کے لیے ان مظاہروں کے دوران اہم رول ادا کیا اور اپنی اشتعال انگیز تقریروں کے ذریعے مظاہرین کی آگ پر تیل چھڑکا۔ اس غارت گری اور آتش زنی کے دوران مظاہرہ کرنے والوں، جلانے والوں نے ساری وادی کا ٹریفک نظام معطل کر دیا تھا اور کشمیر کی ایڈمنسٹریشن بالکل بے حس و حرکت تماشہ دیکھ رہی تھی۔ کاش ایڈمنسٹریشن نے ان ہنگاموں کو روکنے کے لیے ضروری کارروائی کی ہوتی۔ آج یقیناً صورت حال مختلف ہوتی۔

۴، ۵، اور ۶ اپریل کی غارت گری کشمیر کا سیاہ ترین باب ہے۔ افسوس ہے کہ یہ سب شیخ صاحب کے زمانہ اقتدار میں ہوئی، جن کا ڈسپلن مسلّم تھا۔ ان واقعات نے شیخ صاحب کی پوزیشن کو سخت متاثر کر دیا اور لوگ یہ کہہ رہے ہیں کہ شیخ صاحب کی حکومت غنڈوں کی سرکوبی نہیں کر سکی ہے اور اب لوگوں میں عدم تحفظ کا احساس ہے۔ ابھی تک اس غارت گری میں حصہ لینے والوں اور تقریروں میں اسکی شہ دلانے والوں اور پردے کے پیچھے تار ہلانے والوں کو گرفتار نہیں کیا گیا ہے۔ آئندہ انتخابات میں یہ صورت حال موجودہ حکمراں جماعت کے خلاف استعمال ہو سکتی ہے اس لئے ضروری ہے کہ شیخ صاحب اس کا سنجیدہ نوٹس لیں اور پارٹی امتیازات سے بالاتر ہو کر۔ ورنہ اس قیاس کو تقویت ملے گی کہ شیخ صاحب کی نیشنل کانفرنس بھی اسی لوٹ مار کی خواہاں تھی۔

میں نے کشمیر کے تازہ غدر پر یہ ایک سرسری رپورٹ لکھی ہے، میں نے کسی مبالغے سے بھی کام نہیں لیا ہے۔ تفصیلات و واقعات زیادہ ہوں گے اور رونگٹے کھڑے کر دینے والے ہیں اور میرے پاس وہ بیان و زبان نہیں ہے جو اس قصہ غم کو قلم بند کرے۔

اس شخص نے تاریخ کے ظالم و جابر حکمرانوں کو اپنا آئیڈیل بنایا مگر ان کے عبرتناک انجام سے کوئی سبق نہ سیکھا!

تنگ نظری اور ذاتی اقتدار کی ہوس بھٹو کو لے ڈوبی

پاکستان کے معاشرے میں جب بھی تخریبی عناصر کو پنپنے کا موقع ملا تو وہ ملک کے لیے نقصان دہ ثابت ہوئے

شخصی سیاست کا المیہ

تضمینِ اقبال

اقبال
سرہندی

قولِ اقبال

صد شکر تخیل کو بلا ذوقِ مبیں ہے
تو نازش کونین ہے بے مایہ نہیں ہے
افلاک نصیب خوشتر و فرخندہ جبیں ہے
اقبال کا یہ قول بتایا ذہیں ہے
وہ قوم ہی سرگشتہ و محروم یقیں ہے
جس قوم کی تقدیر میں امروز نہیں ہے

الفاظ کی سوغات

اے آدم نو کیا ہوئے اخلاق و روایات
وہ بندۂ حق ہیں جو ہوا بندۂ حاجات
باطن میں فقط ذات مگر لب پہ مساوات
کیا بھوک مٹا سکتی ہے الفاظ کی سوغات
یہ کیسی سیاست ہے کہ محنت کو ہوئی مات
ہیں تلخ بہت بندۂ مزدور کے اوقات

حد بندی

مصری ہے کہ شامی ہے ہندی کہ ثمرقندی
ملت کی ولایت میں مہلک ہے یہ حد بندی
وہ قوم جو وحدت کی کرتی نہیں پابندی
قسمت میں کہاں اسکے میری و خردمندی
وہ رنگ جو کرتا ہے دنیا کی حنابندی
آدم کو سکھاتا ہے آدابِ خداوندی

* * *

ظالم اور سفاک آخر کار اپنے انجام کو پہنچتا ہی ہے

خطیب امام شیخ عبداللہ ابن سبیل امام حرم بیت اللہ شریف

ظالم اور سفاک شخص بھی ایک نہ ایک دن اپنے انجام کو پہنچ کر ہی رہتا ہے۔ جو شخص دوسروں کی راہ میں رکاوٹ پیدا کرتا ہے آخر کار وہی رکاوٹیں اس کی راہ میں آکھڑی ہوتی ہیں۔

کہتا ہوں سچ

[illegible]

بھٹو کی پھانسی اور ہندوستانی مسلمانوں کا کردار

جلال الدین ندوی

اس دنیا میں کتنے لوگ ہیں جو اپنے گرد و پیش کے حالات و واقعات، قوموں کے عروج و زوال کی تاریخ، سلاطین عالم کی فتح و شکست سے عبرت و نصیحت حاصل کرتے ہیں، کتنے ہیں جو سماعت رکھتے ہوئے بھی نہیں سن سکتے، بصارت کے باوجود صحیح طور پر نہیں دیکھ سکتے۔

لَهُمْ آذَانٌ لَا يَسْمَعُونَ بِهَا
لَهُمْ أَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُونَ بِهَا!

یہ ایک بہت عبرت و موعظت کا واقعہ ہے جو گذشتہ مہینہ کی ابتدائی تاریخوں میں (۴ اپریل کو) پیش آیا، پاکستان کے معزول وزیر اعظم مسٹر بھٹو کو (جن کو ہندوستان کے بہت سے مسلم حلقے ہیرو HERO تصور کرتے ہیں) ایک قتل کے جرم میں تختہ دار پر لٹکا دیا گیا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ مسٹر بھٹو ایک ممتاز و منفرد شخصیت کے مالک تھے۔ قدرت نے انہیں ذہانت، عزم، حوصلہ اور جوش و جذبہ کی نعمت سے مالا مال کیا تھا، وہ موجودہ سیاست (جو خود فریبی حقائق پسندی سے انکار، اور ذہانت و سیاسی جوڑ توڑ کا نام بن گئی ہے) کے مزاج داں اور اس کے صف اول کے رہنماؤں میں تھے، ان کی ذہانت و صلاحیت پر اعتماد کر کے شروع میں پاکستانی عوام نے ان سے بہت کچھ امیدیں اور توقعات وابستہ کر لی تھیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنی ذہانت، معاملہ فہمی اور نکتہ دانی کے ضرورت سے زیادہ احساس کی بنا پر راہ اعتدال سے بہت دور جا چکے تھے انہوں نے اقتدار کے نشے میں جمہوریت کو ایک خطرناک آمریت Dictatorship میں تبدیل کر دیا تھا انہوں نے ساری طاقتوں کا محور اپنی ذات کو بنا لیا تھا اور عوام کو یہ تصور دینا چاہا کہ ملک و قوم کے سب سے بڑے محسن اور اس پر حکومت کرنے کے واحد حقدار ہیں، قوم و ملت کی فلاح ان ہی کی ذات سے وابستہ ہے، وہی سیاست کے نوک پلک سے واقف ہیں اور سارے کے سارے لوگ ان کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔

اسی احساس برتری کے ساتھ وہ حکومت و سیاست میں بام عروج پر پہونچ گئے، لیکن جتنی سرعت کے ساتھ وہ بام عروج تک پہونچے تھے اسی سرعت سے وہ پھر پستی میں آگرے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ ٹھوکر کھا کر بھی ان میں سنبھلنے اور گر کر اٹھنے کا احساس جاگا۔ جیل کے پر صعوبت لمحات میں جب وہ اپنے ماضی کا جائزہ لیتے ہوں گے تو دل کی گہرائیوں میں ضرور اپنی غلطیوں کا احساس ہوتا ہوگا لیکن افسوس عبرت پذیری کے بجائے وہ اس خیال میں رہے کہ بیرونی (اسلام دشمن) طاقتوں کے دباؤ سے وہ رہا ہو کر پھر اپنی کھوئی ہوئی پوزیشن حاصل کر لیں گے، اور بعض عرب ممالک کے ذمہ داروں اور امراء کی اپیلوں سے ایک مرتبہ پھر ان کے افسوسناک ماضی پر پردہ پڑ جائے گا۔

قتل کے جس قضیہ کے سبب بھٹو صاحب اب اس دنیا میں نہیں رہے وہ تو دراصل ان کی آمرانہ زندگی کے انجام کا ایک ذریعہ بنا ورنہ یہی خون ان کے سر نہیں تھا بلکہ ان کے دور اقتدار میں ایسے ہی بڑی تعداد میں معصوم انسانوں کا خون ہوا جو صرف ان کی غفلت و لاپرواہی کا نتیجہ تھا یا سیاسی انتقام کے جوش میں وہ خود اپنے دشمنوں سے نمٹنا چاہتے تھے، ان میں بچے بوڑھے، طالب علم، مرد و زن اور سیاسی قائدین بھی شامل تھے" خواجہ رفیق سربراہ مار دیے گئے، مولوی شمس الدین قتل کر دیے گئے، حیات شیر پاؤ مارے گئے، عبد الصمد اچکزئی، اشوک کمار اور ۶ محمر قتل کر دیے گئے۔ اسد اللہ مینگل کے بارے میں پتہ نہ چلا کہ اس بچارے کو زمین کھا گئی یا آسمان نگل گیا، ایسی درجنوں وارداتوں کے کسی ذمہ دار کو کسی قانونی عدالت سے کوئی سزا نہیں ہوئی؟

(جسارت ۱۵ اپریل ۱۹۷۹ء)

ان سب واقعات کے بعد بھی وزیر اعظم کی آنکھیں حالات کے رخ کو نہ دیکھ سکیں اور وقت کے دھارے کو نہ پہچان سکیں معزول ہو جانے کے بعد بھی جب ان کی زندگی کے آخری لمحات جیل کی تاریک کوٹھڑی میں گزر رہے تھے ان کی طرف سے پشیمانی کا اظہار عوام کے سامنے پیش ہوا، اس لئے بھی کہ خود ان کے علاوہ ان کی جماعت (پیپلز پارٹی) اور ان کے حامیوں کو آخر وقت تک یقین نہ آ رہا تھا کہ جب کہ ہر چہار طرف سے رہائی کے لئے سیاسی دباؤ ڈالا جا رہا ہے بھٹو اتنی جلد تختہ دار تک کیوں کر پہونچ جائیں گے؟ اس کے لئے انہوں نے سازشیں بھی کیں حتی کہ ایک عرب ملک نے ایک جج کو ۳۷ لاکھ کی خطیر رقم دے کر خریدنا چاہا لیکن یہ سازش بھی کامیاب نہ ہو سکی اور راز فاش ہو گیا، اور یقین نہ آنے کے باوجود بھٹو ہمیشہ کے لئے اپنے چاہنے والوں سے روپوش ہو گئے قدرت کی طرف سے یہ قطعی اور حتمی فیصلہ تھا جسے دنیا کی کوئی طاقت بدل نہ سکی، لاتبدیل لسنۃ اللہ، جس ملک میں انہیں پھانسی دی گئی اس ملک کے لوگ ان کے بارے میں ہم سے بہتر جانتے ہیں کسی نے (سوائے ان کی جماعت کے تھوڑے سے افراد اور اسلام دشمن عناصر کے) کوئی شور و غوغا نہیں کیا، گریہ و زاری نہیں مچائی، کسی نے جلوس نہیں نکالے، کوئی غم زدہ نہیں ہے، اسی طرح بنگلہ دیش میں مجیب الرحمن کو مع اہل و عیال کے ہلاک کر دیا گیا اور وہاں بھی امن و سکون کی فضا قائم رہی، بھٹو جیسے آمریت پسند اپنے عوام دشمن ماضی اور قتل کے جرم کے ارتکاب کے سبب پھانسی پا گئے تو ان کے ملک میں بھی سکون ہے ان باتوں سے بہت سے حقائق کا ثبوت ملتا ہے جو محض پروپیگنڈے کے زور سے چھپائے نہیں جا سکتے۔

اس واقعہ کے بعد سے باہر کے ممالک خصوصاً ہندوستان میں جو اثرات مرتب ہوئے ہیں وہ انتہائی قابل افسوس، لائق ملامت، کم علمی پر دال اور حقیقت واقعہ سے عدم واقفیت پر مبنی ہیں، بھٹو صاحب کو جن حالات سے گذرنا پڑا وہ ان عوامل و اسباب کا قدرتی نتیجہ تھے جو ان کے دور اقتدار میں ہوتا رہا لیکن ہندوستانی مسلمان نہ صرف یہ کہ عوام بلکہ خواص (علماء) کا ایک طبقہ بھی اس نافہمی میں مبتلا ہو گیا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے جنرل ضیاء الحق سے شدید نفرت کے جذبات نے ان کے ذہنوں کو ماؤف کر دیا ہو، جیسے جماعتی عصبیت اور شدید مخالفانہ روش سے معاملہ کی اصل اہمیت اور بھٹو صاحب کے قتل کی واقعیت کی تہہ تک نہ پہونچ سکتے ہوں۔ چنانچہ وہ انتہا پسندی، افراط و بدنظمی کا شکار ہو گئے اور عام انسانی معیار شرافت کو بھی برقرار نہ رکھ سکے، اس کی وجہ (خوش قسمتی یا بدقسمتی سے) اس خیال کا پیدا ہو جانا بھی ہے کہ اسلامی قانون کے نفاذ اور بھٹو کو تختہ دار پر لٹکانے میں تمام تر ہاتھ جماعت اسلامی یا پاکستان کے علماء کا ہے، پھر (غلط فہمی سے) جنرل ضیاء الحق کو جماعت اسلامی کا امین و پاسبان تصور کر لیا گیا ہے، حالانکہ نہ یہ صحیح ہے کہ اسلامی اصول و آئین کے نفاذ میں تمام تر سہرا جماعت اسلامی کے سر ہے نہ یہ درست ہے کہ جنرل ضیاء الحق کسی مخصوص جماعت کی سربراہی و رہنمائی چاہتے ہیں۔ اس موقع پر جماعت اسلامی کو جس طرح کشمیر اور دوسرے مقامات پر ظلم و ستم کا نشانہ بنایا گیا ہے وہ نہ صرف یہ کہ غیر اسلامی، غیر اخلاقی حرکتیں ہیں بلکہ پست ذہنیت کی علامت اور (عام مسلمانوں کے لئے) ایک بدنما داغ ہیں، اخباروں اور بعض مصدقہ اطلاعات کے مطابق کشمیر میں انھیں نقصان پہونچانے کے لئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ رکھا گیا، ان کے مدرسوں، مکتبوں، کالجوں، دفتروں، کتب خانوں اور ذمہ داروں کے گھروں پر حملے کئے گئے، ان کی تمام سرگرمیاں ختم کر دی گئیں متعدد لوگوں کو مارا پیٹا بھی گیا، اور بعض لوگوں کو گولی کا نشانہ بنا کر موت کے آغوش میں دھکیل دیا گیا، پھر اسی پر بس نہیں کیا بلکہ کچھ اللہ کے دشمنوں نے دینی کتابوں حتی کہ کتب تفاسیر تک کو خاکستر کر کے رکھ دیا۔ (تفصیل کے لئے ۱۳ اپریل دعوت سہ روزہ ملاحظہ فرمائیں)

دوسری طرف موجودہ مسلم صحافت (باستثنائے بعض) کی باگ ڈور جن اہل قلم کے ہاتھوں ہے وہ یا تو لادینیت کے داعی، کمیونزم و سیکولرزم کے حامی ہیں۔ اور اگر مذہب کے لئے ان کے پاس کوئی جگہ ہے تو وہ اسے (مغربیت سے مرعوبیت کی بنا پر) انسان کی نجی زندگی کے ساتھ وابستہ سمجھتے ہیں،

موجودہ صحافت کی یہ روش صرف مذہب ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ وہ انسانی اصول و ضوابط اور اخلاقی اقدار و روایات کی پابندی سے بھی آزاد ہے، ریڈیو و صحافت کا یہ طرز عمل نئی پود کے حق میں افیون کی وہ گولیاں ہیں جو معاشرہ و سماج کی جڑیں کھوکھلی کئے دے رہی ہیں، کھوٹے سکے دکھا کر ان کو کوئی بھی خرید سکتا ہے ان کے یہاں سب سے بڑی ہوشیاری اور ضابطہ کی بات یہ ہے کہ چڑھتے سورج کی پوجا کی جائے۔ سیاسی اکھاڑے میں جس کی جیت ہو جائے وہی خدا تسلیم کر لیا جاتا ہے، اس مذہب بیزاری بلکہ مذہب سے بغاوت کے دور میں اگر کوئی حکومت مذہب کے لیے کوئی جگہ دے کر اسے مکمل اسے رنگ و آہنگ میں دیکھنا چاہتی ہے تو اس پر دنیا کی نگاہیں کھٹکتی ہیں اور اپنی راہ کا روڑا خیال کرتی ہیں۔ دنیا کی عظیم طاقتیں اگر بھٹو کی حمایت کرتی ہیں تو کیا اس لئے کہ ان کو ان کی جان پیاری تھی، اسے وہ محب وطن سمجھتے تھے یا وہ انصاف کے طلبگار تھے۔ اگر یہی بات تھی تو اور دوسرے چار مجرمین کے لیے دنیا کا کوئی ہمدرد رحم کی اپیل کیوں نہیں کرتا، بین الاقوامی طریقہ پر یہ سب اسلام دشمنی کا اظہار ہے۔ اس وقت اور بھی تعجب و افسوس ہوتا ہے جب اس طرح کی وارداتیں اسلام دشمن عناصر ہی کی طرف سے نہیں بلکہ مسلمانوں کی طرف سے بھی نمایاں ہوتی ہیں کیا یہ انصاف کی بات ہے کہ بلٹز، نئی دنیا، عوام، سیاست اور اسی طرح کے اخبار دوں "بی، بی، سی ریڈیو" کی خبروں کو معیار بنا کر اعداء اسلام کی پشت پناہی کی جائے؟ ان کی آواز سے آواز میں ملائی جائیں اپنے ہی جیسے مسلمانوں کو سب و شتم، طعن و تشنیع کا نشانہ بنائیں، ہلڑ بازی کریں۔ اگر دنیا کی طاقتوں اور ہندوستانی مسلمانوں کو مظلوم و درماندہ انسانوں سے ایسی ہی ہمدردی ہے تو آج ایران میں برسر بازار انسان کے خون سے ہولی کھیلی جا رہی ہے کیوں نہیں روکوانے کی کوشش کرتے۔ یوگنڈا میں قتل و غارت گری کا سلسلہ شروع ہو چکا ہے اس سے کسی کے دل میں ذرا بھی حرکت پیدا کیوں نہیں ہوتی، اب تک اسرائیل کے خلاف انہوں نے کیا کیا؟ خود ہندوستان (جمشید پور) میں سیکڑوں جانوں کے برباد ہونے کی اطلاعات مل رہی ہیں ان سے ان ہمدردوں کی نیندیں کیوں نہیں حرام ہو جاتیں، دل کے مضراب میں کوئی حرکت پیدا کیوں نہیں ہوتی، کہاں گئے وہ رہنمایان قوم جو کسی فساد زدہ علاقوں کا دورہ اس وقت کرتے ہیں جب تخریب پسند عناصر جی بھر کر معصوم انسانوں کے خون سے اپنی پیاس بجھا چکے ہوتے ہیں، عورتیں بیوہ، بچے یتیم ہو چکے ہوتے ہیں، عزتیں لٹ چکی ہوتی ہیں، سہاگ اجڑ چکا ہوتا ہے تو لوگ شان سے دورہ کے لیے نکلتے ہیں اور اخباروں میں رسمی بیانات شائع کرواتے ہیں کیا اس وقت ان دردمندوں کے دلوں میں سوز و درد، تڑپ و بے قراری، ہمدردی و غمخواری کا جوہر چھن گیا ہے،

یہ کون سے اسلام کی تعلیم ہے کہ ظلم و بربریت سے مجبور و مقہور انسانوں کی گلو خلاصی کے لیے کوئی اقدام نہ کیا جائے لیکن اپنی ہی ملت اپنے ہی دین و مذہب کے ماننے والوں کے ساتھ بہیمیت و انسانیت سوز حرکتیں روا رکھی جائیں؟ یہ کس اسلام کا قانون ہے کہ مجرم کا جرم ثابت ہو جائے پھر بھی اس کے جرم پر صرف اس لئے پردہ ڈال دیا جائے کہ دنیا کی بڑی طاقتیں (جو خود مجرموں اور ظالموں کی رہنما ہیں) اس کی پشت پناہی کر رہی ہیں۔ اور جنرل ضیاء الحق صرف اس لئے چنگیز، ہٹلر، یزید کا لقب پائیں کہ انہوں نے اسلامی قانون کی مخالفت نہیں کی اور اعداء اسلام کی بات نہیں مانی، انصاف کا دامن تھامے رہے انہوں نے وزیر اعظم اور معمولی رعایا کے امتیاز کو مٹا دیا ظلم کا ساتھ نہیں دیا اور حق پر ثابت قدم رہے کیا حق و باطل کا معیار اور جھوٹ و سچ کے پیمانے بھی بدل گئے ہیں کیا ہم یہ مان لیں کہ اسی تغیر پذیر زمانے اور حالات کے بہاؤ کے ساتھ اسلام کے ماننے والے بھی بہنے کے لیے آمادہ ہو گئے ہیں۔ کیا یہ اس قوم کی زوال کی علامت نہیں ہے جس نے کبھی آفاق عالم پر اپنی عظمت و شوکت کا پرچم لہرایا تھا کیا ان کی یہ ریشہ دوانیاں غیر مسلموں کے سامنے اسلام

(بقیہ صفحہ ۱۱ پر)

بقیہ صفحہ ۳۹ کا

تصنیفی صلاحیتیں قربان کر دیں، وہ جب تک زندہ رہے، اس معیار میں فرق نہیں آنے دیا، ان کا سارا وقت "معارف" کے نوک و پلک کے درست کرنے میں لگ جاتا تھا، ان کے قلم کے شذرات بھی سید صاحب کی طرح ہوتے تھے، وہ بڑے ذوق و شوق سے پڑھے جاتے تھے دوسرے اخبارات و رسائل بھی اپنے کالموں میں نقل کرتے تھے اور ان کا بڑا وزن محسوس کیا جاتا تھا۔

معارف کی ایک مجلس ادارت تو ضرور تھی، جس کے ارکان میں اردو علم و ادب کی بعض اہم شخصیتیں بھی تھیں، لیکن وہ پورا معارف خود ہی ایڈٹ کرتے تھے اور اس کے بنانے اور سنوارنے میں دن رات لگے رہتے تھے۔ فرماتے تھے کہ، معارف کی ادارت کا کام بظاہر بہت آسان معلوم ہوتا ہے کہ معارف کے فائل سے حسب ضرورت مضامین نکال کر کاتب کو دیدیے وہ لکھ لے تو کاپیوں کی تصحیح کر کے پریس میں بھجوا دے اور اس نے چھاپ دیا اور کام ہو گیا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس میں بڑی نزاکتیں ہیں، جن کو اور تو اور خود صباح الدین صاحب بھی جو میرے شریک کار ہیں سمجھ نہیں سکتے، اس لئے میں کہیں بھی رہوں مجھے معارف کی فکر لگی رہتی ہے۔ وہ اولاً تو دار المصنفین سے باہر بھلا جاتے کہاں تھے، کبھی کبھی گھر جاتے تھے تو اس کا پورا انتظام کر کے جاتے تھے۔ ان کے انتقال کے بعد صباح الدین صاحب کو "معارف" یہ کا زیادہ یاد آیا کہ اب ان کے بعد اس کی شاندار روایات کو، اس کے علمی و تحقیقی و ادبی معیار کو کیسے باقی رکھا جا سکتا ہے۔ فرماتے تھے کہ ہم سب لوگوں کو سب کام کاج چھوڑ کے اس معیار کو پوری لگن کے ساتھ قائم رکھنا ہے۔ وہ معارف کی طرف جس طرح اپنی ساری توجہ قائم کئے ہوئے ہیں، اس سے کون واقف نہیں ہے۔

کتابت و طباعت کی دشواریوں کی وجہ سے اس کی اشاعت میں کبھی کبھی تاخیر تو ضرور ہو جاتی ہے لیکن اس کے معیار میں بحمد اللہ اب تک کوئی فرق نہیں آیا ہے، صباح الدین صاحب اور مولانا عبد السلام صاحب دونوں کے شذرات پسند کئے جاتے ہیں اور اخبارات انکو نقل کرتے ہیں، اس دور کے بعض اہم مضامین بھی بعض رسائل نے اپنے صفحات میں نقل کئے ہیں مثلاً مولانا ضیاء الدین اصلاحی کا سلسلہ مضمون "اسرائیل اور قرآن مجید" بہت پسند کیا گیا۔ دار المصنفین اس کو کتابی شکل میں الگ سے بھی شائع کرے گا۔ انہوں نے وفیات کے تحت ڈاکٹر خلیل الرحمٰن اعظمی ریڈر شعبۂ اردو مسلم یونیورسٹی کی وفات پر جو مضمون لکھا اس کو بھی اہل ذوق نے بہت پسند کیا اور وہ "صدق جدید" وغیرہ میں نقل ہوا۔

اس وقت شاہ صاحب کی یاد کے طور پر ان کے آخر زندگی کے چند مضامین کی طرف توجہ دلانا ہے۔

مسلم نوجوانوں سے خطاب!

(ڈاکٹر) انجم آرا انجم

دیپ روشن کرو
ہر طرف اک اندھیرا ہے چھایا ہوا
راستے پرخطر اور مسدود ہیں
ہر قدم پر یہاں راہزن ہیں کھڑے
شعلِ عزم محکم جلاؤ یہاں
روشنی سے دلوں کو منور کرو
تاکہ نور بصیرت ہو پھر جلوہ گر
اور جھروکوں سے ماضی کے دیکھو ذرا
تم کبھی جھانک کر
عہدِ نو آج بھی

ملے گا تمہیں
عظمتِ رفتہ کے گیت گاتا ہوا
جس چمن کے ہو تم باغباں
وہ چمن آج بھی
منتظر ہے اٹھو
چھانٹ کر خار سب پھینک دو
اور پھولوں کو تم
رنگ دو
آب دو
زندگی بخش دو

عالم اسلام

مشرق وسطیٰ

شمالی یمن کو فوجی امداد دے کر امریکہ یاد کرانا چاہتا ہے کہ وہ اب بھی یاروں کا یار ہے

سوویت روس کا ایئر کرافٹ کیریئر ... بحر ہند ... عرب کی طرف روانہ ہو گیا۔ دوسری طرف امریکہ کے جیٹ فائٹر اور ٹینک ... اسلحہ خانہ کو یمن کے جوا کی طرف جانے کا حکم دے دیا گیا۔ امریکہ کے دو جنگی جہاز ... سعودی عرب کے حوالے کر دیے گئے۔ علاوہ ...

یمن میں گزشتہ ماہ اس وقت کشیدگی شروع ہوئی جب جنوبی یمن کے ... شمالی یمن کے سرحدی شہروں ... میں گھس گئے۔ دونوں علاقوں کی سرحد ... شمالی یمن کے پاس اپنے تحفظ کے لیے قدیم روسی ساخت کے ... ہیں ... روس سے اچھے تعلق کی یادگار ہیں ...

ان عرب ریاستوں کو خود ہی دیکھیں جو اس معاہدے کے خلاف ہیں اور ایران میں پیش آنے والے واقعات اور شاہ ایران کا انجام بھی پیش نظر رکھیں۔

روس کی ان مسلسل چیرہ دستیوں کے باوجود امریکہ اب بھی مصر ہے کہ سعودی عرب اور مشرق وسطیٰ کی اعتدال پسند ریاستیں اس پر اعتبار رکھیں ... مشرق وسطیٰ کے تمام رہنما سادات، شاہ حسین، ... ہماری طرف ہیں ... مشرق وسطیٰ کو اپنا تختہ مشق بنانے کے لیے ...

تیونس

عوام کے حقوق کی تحریکوں کو کچلنے کے بجائے افہام و تفہیم کی ضرورت ہے

الجزائر، طرابلس، اور تیونس ... کے درمیان مصالحت کی بات چیت ... اٹھایا گیا ... انہوں نے کہا کہ عوام کے حقوق کی تحریکوں کو کچلنے ... انہوں نے تیونس کی تیل کی قیمتوں میں بھی اضافہ کر دیا ہے۔ ...

اردن

بلا سود سرمایہ کاری کا منصوبہ جلد شروع ہونے والا ہے

جب سے عالم اسلام میں احیاء کی تحریک چلی ہے، ہر طرف سے یہی کوششیں ہو رہی ہیں کہ مسلم ممالک میں جو غیر اسلامی بدعات پھیل گئی ہیں، ان سے کیسے چھٹکارا حاصل کیا جائے۔ ان مذہب اسلام کے خلاف طور طریقوں سے کیسے نجات حاصل کی جائے۔ ان میں سب سے اہم مسئلہ سود سے نجات کا ہے۔ کیونکہ یہ لعنت مسلم معاشرے میں اس طرح رچ بس گئی ہے کہ اس سے چھٹکارے کے خیال سے نئے نئے مسائل سامنے آنے لگتے ہیں۔ ... اللہ نے سود کو ... فرمایا ہے۔ ...

صومالیہ

حکومت نے صرف تین ماہ میں سرکاری افسران کو نئی زبان سیکھنے پر مجبور کر دیا

دس سال قبل صومالیہ کا نظام تعلیم کافی ابتر تھا۔ اس کی بنیاد اگرچہ یورپی طرز تعلیم پر تھی ... اس کا نصاب اور امتحانات تو ... صومالیہ کے نظام تعلیم کے درمیان مناسبت نہیں تھی ... ۱۹۶۹ء میں ... پرائمری اسکول ... صومالیہ کے کل ۸ لاکھ بچوں میں سے چند ہی ...

اس نظام کے بارے میں یہ سوال اگرچہ بڑا اہم ہے کہ کیا ایسی تعلیم کو صحیح معنوں میں تعلیم کہا جا سکتا ہے ... بہرحال ... نظام تعلیم کو عوام کی سطح پر مؤثر بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ ... ایک نئی کمیونٹی ٹریننگ قائم کی گئی ہے۔

جہاں بیراگی اور عیسائی انجمن مشنوں کے بارے میں ابتدائی معلومات نصاب تعلیم کا حصہ ہیں۔ ... ۱۹۷۵ء کی خشک سالی اور قحط کے دوران ... حکومت سے مطالبہ کیا کہ ایسے اسکول قائم کیے جائیں ...

ملائیشیا

مسلم ممالک طلباء کا آپس میں تبادلہ کریں گے

(...) ہم سمجھتے ہیں کہ کسی رد عمل کے اظہار سے کوئی اچھا نتیجہ حاصل نہیں ہو سکتا ... اس علاقے کے استحکام کو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔ ... فلسطینی باشندے ... اپنے حقوق کی بحالی کے منتظر ہیں ... ہزاروں فلسطینی بچے کیمپوں میں پیدا ہوئے ہیں ...

مرکزی اسلامی تعلیمات کی سیکریٹریٹ نے ...

سعودی عرب

کسی علیحدہ سمجھتے علاقے کا استحکام خطرے میں پڑ جائے گا

عالم اسلام

چاڈ

مسعود ابدالی

مسلمانوں کا قتل عام ہو رہا ہے

فرانس کے فوجی دستے مسلمانوں کی نسل کشی میں مصروف ہیں

شمالی وسطی افریقہ کی ریاست چاڈ ۵۱ لاکھ سے زیادہ مسلمانوں کا مذبح بنی ہوئی ہے۔ یوں تو آزادی کے ساتھ ہی مسلمانوں کا قتل عام جاری ہے۔ مگر مارچ کے آغاز میں ہونے والے فسادات کا قابل ذکر پہلو یہ ہے کہ فرانس کے باقاعدہ فوجی دستے مسلمانوں کی نسل کشی میں مصروف ہیں۔ باوجودیکہ صدر فرانس گسکارڈ دلیستان کے اعلان کے مطابق ۲۰ مارچ کو فرانسیسی سپاہیوں کو چاڈ چھوڑ دینے کا حکم دیدیا گیا ہے مگر چاڈ کے مسلم حلقوں نے الزام لگایا ہے کہ فرانسیسی فوجی اب بھی جنوبی چاڈ کے بچے کچھے مسلمانوں کا قتل عام کر رہے ہیں۔

وسط افریقہ کی یہ صحرائی ریاست واضح طور سے جنوبی اور شمالی حصوں پر منقسم ہے شمالی حصہ عرب نژاد و سوڈانی مسلمانوں پر مشتمل ہے جبکہ جنوبی …

… نوح کشی کے نتیجے میں مسلمانوں کی سیاسی سرگرمیاں تو ماند پڑ گئیں مگر اس مرحلے پر اسلامی تحریک نے ایک نئی کروٹ لی اور دین و تبلیغ کا ایک نیا سلسلہ شروع ہوا۔ بے پناہ تشدد کے خلاف بے مثال صبر نے عقیدے کی حقانیت واضح کر دی تھی جس سے وحشی قبائل بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ عیسائی مشنری کی جانب سے بے حساب سرمایہ اور فرانسیسی فوج کا بدترین تشدد بھی اسلام کے اثرات کو روکنے میں کامیاب نہ ہو سکا اور شمال کے بعد وسطی چاڈ بھی تیزی سے اسلام کے زیر اثر آگیا۔ اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد بڑھتی چلی گئی یہ اضافہ آج بھی جاری ہے 1968 AFRICAN ALMANAC میں …

بقیہ صـ ۲۹ پر

رہ گئے مسلم ممالک کی امداد کے منتظر بیٹھے ہیں

اُن کا جرم صرف مسلمان ہونا ہے

… لیا تھا کیونکہ وہ بہار کے صوبہ ارکان کے باشندے تھے جو ندخیز کوہستانی وادی ہے۔ اگرچہ بہار کے دورافتادہ علاقے میں بسنے کی وجہ سے اراکان کے ان مسلمان باشندوں کو خوراک کی قلت کا سامنا بھی رہا مگر بے گھر ہو جانے کی وجہ سے اُن پر بھوک اور افلاس کے سیاہ بادل منڈلا رہے ہیں اور وہ امداد کے انتظار میں ایک کربناک غیر انسانی زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔

اقوام متحدہ کے کمیشن برائے مہاجرین نے ان کی بحالی اور آبادکاری کا ایک پروگرام مرتب کیا ہے اور …

سعودی عرب میں فولاد کے پہلے کارخانے کی تعمیر

۵ سال بعد غیر ممالک سے فولاد کی درآمد کی ضرورت باقی نہیں رہیگی

بقیہ صـ ۲۸ کا

جو ادیب اپنے وطن کیلئے مخلص نہیں وہ ادب سے بھی مخلص نہیں ہو سکتا

اکیڈمی آف لیٹرز کی افتتاحی تقریب میں جنرل ضیاء الحق کا خطبۂ صدارت

۱۱ اپریل کو صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق نے اسلام آباد میں اکیڈمی آف لیٹرز کی افتتاحی تقریب سے صدارتی تقریر کرتے ہوئے پاکستانی ادیبوں سے بڑی لکھری کھری باتیں ارشاد فرمائیں ذیل میں صدر جنرل محمد ضیاء الحق کی اس تقریر کا مکمل متن شائع کیا جا رہا ہے۔ (ادارہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جناب وزیر تعلیم محمد علی خان ہوتی صاحب
میرے استاد جناب ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی صاحب
اکیڈمی آف لیٹرز کے معزز اراکین۔
اور
اہل قلم خواتین و حضرات!

السلام علیکم۔ میرے لئے یہ انتہائی اعزاز اور خوشی کی بات ہے کہ اکیڈمی آف لیٹرز جیسے علمی و ادبی ادارے کے افتتاح کے لئے آپ نے مجھے یاد فرمایا اور اس طرح مجھے پاکستان کے نامور ادیبوں، شاعروں اور دانشوروں سے ملنے اور گفتگو کرنے کا موقع فراہم کیا۔

ملکی سطح پر آپ سے یہ میری پہلی ملاقات ہے گزشتہ ڈیڑھ دو سالوں میں تقریباً ہر مکتب فکر کے لوگوں [illegible]

[illegible] چاہتا ہوں جو میرے خیال میں ہمارے لکھنے والوں کو ملحوظ رکھنی چاہئیں۔

پہلی بات یہ ہے کہ آپ سب پاکستانی ادیب ہیں اور میں آج اسی حوالے سے آپ سے مخاطب ہوں اور میں سمجھتا ہوں کہ وہ فنکار جو پاکستان کو اپنی شناخت کا حوالہ بنانے سے شرماتے یا کتراتے ہیں [illegible]

[illegible]

پاکستان سے محبت نہ رکھنے والے ادیبوں کو یہاں کی نعمتوں سے فیضیاب ہونے کا کوئی حق نہیں پہنچتا

[illegible]

اخبار "المدینۃ" سعودی عربیہ کی حق گوئی

عربی سے ترجمہ: علاء الدین رانچوی

مسٹر بھٹو کو پھانسی دے دی گئی تو پاکستان میں حق و صداقت کا بول بالا اور عدل و انصاف کا پرچم لہرانے لگا۔ جسے بھٹو تار تار کر دینا چاہتے تھے، بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ ان کی ساری زندگی عیاشی، نفس پروری اور اپنے مخالفوں سے نمٹنے میں گذر گئی،

اگر آدمی ذرا بھی فہم و بصیرت سے کام لے تو ان لوگوں کی حقیقت جو مسٹر بھٹو کے سلسلہ میں، لینت و ہمدردی اور رنج و غم کا اظہار کرتے ہیں، واشگاف ہو جائے گی کہ ان کا اظہار ہمدردی نہ تو کسی گہرے غم و تاسف کا نتیجہ ہے نہ ہی کسی محبت و غم خواری کا صحیح آئینہ دار۔ اس سے زیادہ مضحکہ خیز بات اور کیا ہو سکتی ہے ایک شخص قاتل ہے لیکن اس کے حق میں رنج و الم کا اظہار اور ماتم نالہ و شیون صرف اس لیے بپا کیا جائے کہ وہ ملک کا وزیر اعظم تھا اور دوسرا مجرم شخص اس لیے ناقابل اعتنا تسلیم کر لیا جائے کہ وہ ایک معمولی انسان ہے۔

ادھر حکومت مصر کے ایک سرکاری ترجمان کے بیان سے مزید دل پر چوٹ لگتی ہے کہ "بھٹو کی پھانسی اخلاق اور اسلامی اصول و آئین کے خلاف ہے" ممکن ہے صحافیوں کو اتنا مواد (MATTER) نہ مل پاتا ہو جو ان کے روزناموں کے لیے کافی ہو تو اس کی تلافی کے لیے وہ بھٹو کے لیے تعریفی کالم، اپنے تاسف و بے قراری کا اظہار، اور جنرل ضیاء الحق کو اپنے سب و شتم کا نشانہ بناتے رہتے ہیں، لیکن تعجب اس پہ ہے کہ ایک سرکاری ترجمان جس پر حکومت کی بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے ایسے بیانات کیونکر دے سکتا ہے؟

اس میں کوئی شک نہیں کہ بھٹو ایک خونریز، سفاک اور ظالم و جابر انسان تھے جنہوں نے قتل و خون کا بازار گرم رکھا، وہ لاقانونیت کے علمبردار رہے جو قانون اور اصول و آئین کی خلاف ورزی میں پیش پیش رہے، جنہوں نے ملک کی اقتصادی حالت کو تباہ و برباد کر دی، جنہوں نے حکومت کی بنیادیں ہلا کر رکھ دیں، جنہوں نے ملک و قوم کی امانت کو اپنے ذاتی اغراض کا نشانہ بنایا، ان سب کے باوجود انہیں قانونی ضمانتیں حاصل رہیں اور وہ یہ باور کراتے رہے کہ وہ عدالت کے تمام فیصلوں پہ بخوشی راضی برضا ہیں۔

ایک طرف بی، بی، سی لندن کی طرف سے بے سر و پا خبریں نشر کی جاتی ہیں اور "رائی کو پہاڑ بنا کر" لوگوں کے سامنے پیش کیا جاتا ہے

اس طرح مسٹر کیلاہن (صدر برطانیہ) بھٹو کے معاملہ میں اظہار افسوس و ہمدردی کرتے ہیں اور اسے عالمی رائے عامہ کی خلاف ورزی قرار دینا چاہتے ہیں، یہ وہ باتیں ہیں جنہیں ہم ناقابل تسلیم و ناقابل اعتنا سمجھتے ہیں کیونکہ بھٹو کے ساتھ ہمدردی و محبت کے اظہار سے کہیں زیادہ مسٹر کیلاہن کی خواہش یہ ہے کہ جنرل ضیاء الحق کے وہ اقدامات اور وہ آواز جو ایک خوش آئند مستقبل کا پیش خیمہ ہے دب کر رہ جائے،

کیا یہ بات غور و فکر کی نہیں ہے کہ اگر مسٹر بھٹو کا یہی مسئلہ برطانیہ میں پیش آتا تو کیا انہیں قتل و غارت گری، فساد و بدامنی پھیلانے کی اجازت دے دی جاتی، اور انہیں مدتوں اس کی چھوٹ ہوتی کہ وہ حکومت کی پالیسی کو ذاتی مفاد کے لیے استعمال کریں، ملک و ملت کی جڑیں کمزور کرتے رہیں،

لیکن یہ سب کچھ پاکستان میں ہوتا رہا، تو مسٹر کیلاہن، بی، بی، سی ریڈیو اور صحافت اسے پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتی رہی، کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ پاکستانی عوام کا خون زیادہ ارزاں ہو گیا ہے؟ اور وہ قتل و خون، ذلت و پستی کی جس اہانت آمیز زندگی میں آ پڑے تھے وہ ان کے لیے باعث ننگ و عار نہیں رہ گیا تھا؟

تعجب ہے کہ مسٹر کیلاہن اپنے مخالفوں کے لیے کوئی کلمۂ خیر نہیں کہہ سکتے۔ انہیں خوف ہے کہ اگر انہوں نے ایسا کر بھی دیا تو ان کی آزادی و کرسی خطرہ میں پڑ جائے گی کیا یہ انصاف ہے کہ اپنوں کے لیے الگ معیار و پیمانہ مقرر کیا جائے اور غیروں کی جانچ کے لیے دوسرا۔؟

اس خوش آئند اقدام پر ہم جنرل ضیاء الحق کی خدمت میں مبارکباد اور حق و انصاف کی بقا کی خاطر انہوں نے جو کچھ کیا اس پر انہیں خوشیوں کی سوغات پیش کرتے ہیں اور ان کے لیے دعا گو ہیں کہ اس نئے دور کی تمہید اور منزل مقصود کی طرف پیش قدمی میں خدا انہیں مزید استقامت و ثبات قدمی عطا فرمائے اور جو مسائل و مشکلات درپیش ہیں اور جن چیلنجوں کا مقابلہ کرنا ہے خدا انہیں اس کی قوت و توفیق بخشے۔ (آمین)

لو كان بريطانيا ؟!

اعدم على بوتو، فارتفعت بذلك في باكستان اعلام الحق والعدل التى حاول جهده تمزيقها، بل عاش حياته كلها مستهترا بها وحربا على اصحابها ·

وان المرء ليستطيع ان يفهم بكثير من الجهد اولئك المتاسفين على الاعدام من باب الرافة، لان من اغرب الامور ان تتوجه الرافة لقاتل لمجرد انه كان رئيس وزراء ولا تلتفت مطلقا لقاتل اخر لانه رجل عادى ·

لكن احدا لا يستطيع ان يفهم ما ذكره الناطق باسم الحكومة المصرية من ان اعدام بوتو مخالف للاخلاق والاصول الاسلامية ·

قد يعذر المرء معلقا صحفيا لا يجد موضوعا يملأ به زاويته اليومية فيحشوها بالترحم على بوتو والتهجم على الجنرال ضياء الحق، لكن من الصعب ان نعذر ناطقا رسميا باسم حكومة مسئولة ينادى رئيسها باخلاق القرية !

لقد كان على بوتو سفاحا مارس القتل وطاغية حطم القضاء وافسد الادارة الحكومية وغوغائيا دمر اقتصاد بلاده وساعد على تقسيمها، ومع ذلك فقد توفرت له كل الضمانات القانونية ووقف هو نفسه يعلن في المحكمة الدستورية العليا انه راض كل الرضا عن اجراءات محاكمته ·

فاذا جاء مراسل رقيع لاذاعة لندن ليصور لنا ان تظاهر عشرات او مئات يمكن ان يعبر عن راى ثمانين مليون باكستانى، فذلك كلام تافه لا يقبله احد ·

واذا جاء السيد كالاهان رئيس الحكومة البريطانية ليعبر عن اسفه لتجاهل الرئيس ضياء الحق نداءاته وما اسماه بالراى العام العالمى فان ذلك موقف سقيم متناقض غير جدير بالاحترام ·

لو كان بوتو بريطانيا لما سمحوا له بالقتل والفساد ولما تركوه لسنوات طويلة يمارس طغيانه ويدمر كافة مؤسسات الدولة، اما ان يفعل ذلك في باكستان فهو امر مقبول من السيد كالاهان والصحافة البريطانية، لان الباكستانيين بشر من الدرجة العاشرة لايهم قتلهم او تعذيبهم واذلالهم ·

ان السيد كالاهان لا يستطيع توجيه كلمة نابية لاحد معارضيه او ان يحد من حريته والا لسقطت حكومته على الفور، لكن هؤلاء الناس يكيلون لانفسهم بكيل ويكيلون الاخرى بكيل اخر ·

· تحية للجنرال ضياء الحق في وقفته الشجاعة من اجل الحق والعدل، ودعاء له بالتوفيق في خطواته المسلمة الرائدة وتحديات الاصلاح وتكاليفه الجسيمة التى تواجهه ·

محمد صلاح الدين
(المدينة)

عطا مومن کو پھر درگاہِ حق سے ہونے والا ہے
شکوہِ ترکمانی، ذہنِ ہندی، نطقِ اعرابی

مزارِ اقبالؒ کی تعمیر کے مراحل

کلام اقبالؒ میں شاہین مسلم نوجوان کی علامت ہے

خواجہ عبد الرحیم

بیسویں صدی کے نصف اوّل کا دم واپسیں تھا کہ ۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء کو حکیم الامت علامہ اقبالؒ نے سفر آخرت اختیار کیا۔ ہمارے سامنے ان کی رحلت کے فوراً بعد یہ سوال تھا کہ قوم کے اس مایۂ ناز فرزند کو سپرد خاک کرنے کے لئے کون سی جگہ موزوں ہو سکتی ہے۔ یہ سوال اس لئے بھی اہم تھا کہ ہم ایک ایسے وجود کو لحد میں اتارنے والے تھے جس کی تاریخ ساز شخصیت نے نہ صرف مسلمانوں کی حیات نو کا ساز و سامان مہیا کیا بلکہ قدرت نے اس کی ذات گرامی پر قبول عام اور شہرت دوام کی غیر فانی مہریں ثبت کر دی تھیں۔ یہ اقبال ہی تھے جنہوں نے دنیائے اسلام کی رگ و پے میں ... کی روح پھونکی اور تقدیر امم کی تعمیر و تشکیل کے لئے مستقبل میں جو تاریخی کردار اس دنیا کو ادا کرنا تھا اس کا شعور بھی اس مرد حق آگاہ نے بیدار کیا۔ اس برصغیر کے مسلمان اس حقیقت سے اس کی حکیمانہ تعلیمات ہی کی بدولت آگاہ ہوئے کہ وہ من حیث المسلم ایک قوم ہیں ... [illegible]

[illegible]

مزار کے مغرب میں شاہی مسجد اور مشرق میں شاہی قلعہ اسلام کی روحانی اور دنیاوی عظمت کا مظہر ہے

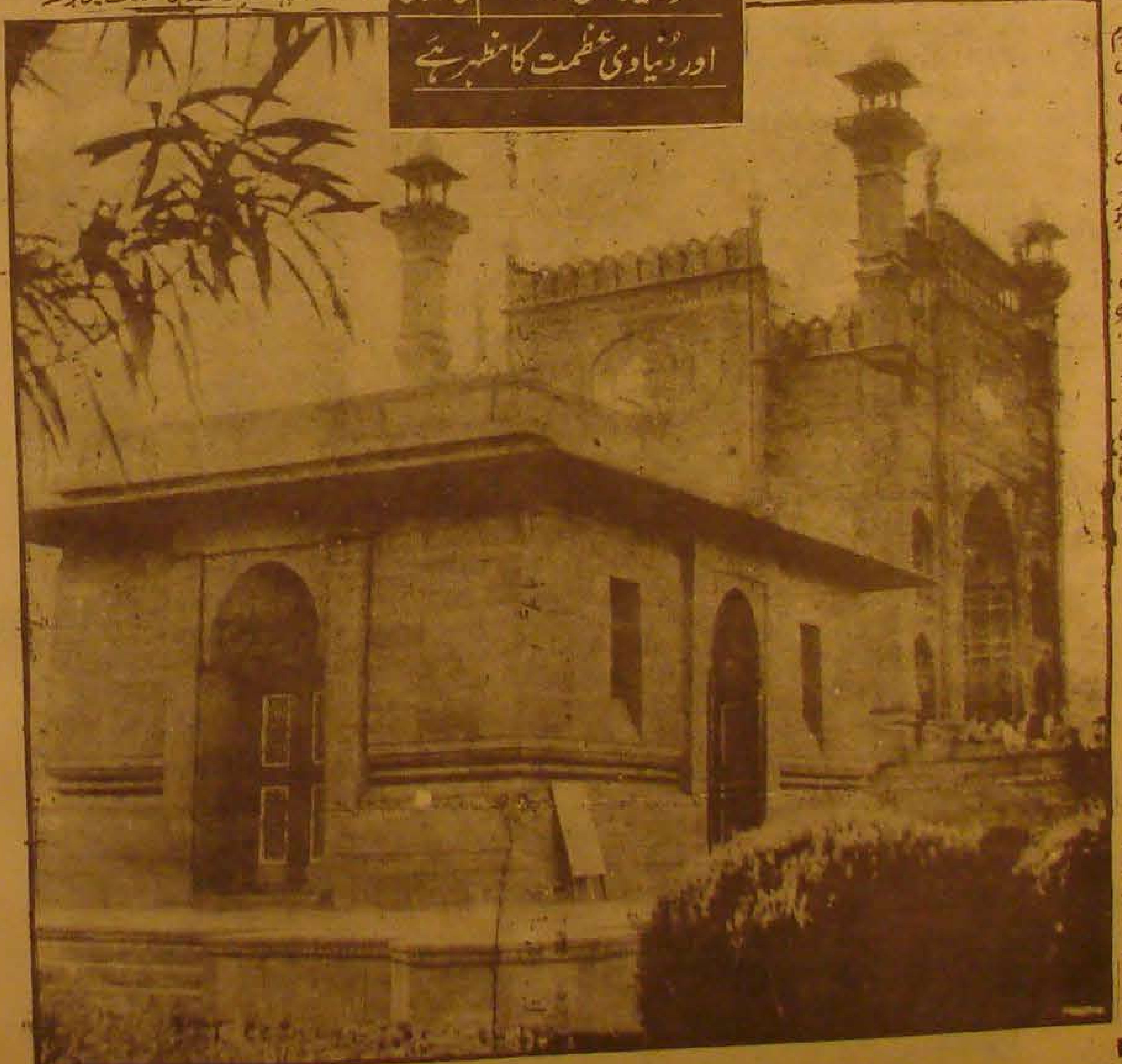

مزار اقبال

بین الاقوامی شہرت رکھنے والے ماہر فن تعمیر
نواب زین یار جنگ نے مزار اقبال کا نقشہ بنایا

خدمات پیش کیں۔ مزار کی حسب ذیل خصوصیات قابل ذکر ہیں۔

۱۔ مزار کی چھت تمثیلی اشارت کی حامل ہے۔

[illegible]

بیادِ اقبالؒ

احسان دانش

دہ ایک چشمہ جو اترا تھا کوہساروں سے — وہ اک شرار جو پھوٹا تھا سنگ پاروں سے
وہ اک دیا جو جلا شب نما سویروں میں — وہ اک کرن جو ہنسی منجمد اندھیروں میں
وہ اک ستارہ جو ظلمت پہ مسکرا کے چھپا — وہ ایک چاند جو دریا کا دل بڑھا کے چھپا
وہ ایک کوندا جو لپکا، لپک کے بیٹھ گیا — وہ اک شرر جو دھوئیں میں چمک کے بیٹھ گیا
وہ اک شہاب جو گردوں سے ٹوٹ کر بکھرا — وہ تیر قوس قزح سے جو چھوٹ کر نہ پھرا
وہ ناخدا جسے ساحل کا رنج مار گیا — وہ ڈوب کر بھی سفینے کو پار اتار گیا
وہ زمزمہ لب وادی پہ جو تمام ہوا — وہ اک جنون جو یزداں سے ہم کلام ہوا
وہ ایک صاحب منزل جو کارواں میں نہیں — وہ اک لطافت عنواں جو داستاں میں نہیں
وہ باغباں جسے مارا ہے لالہ و گل نے — سکوت سرو و سمن نے، فغان بلبل نے

وہ رند جب سے خرابات زندگی میں نہیں
خودی کا ذکر کہیں شہر بے خودی میں نہیں

رفعت سلطان

محرم معنی کتاب جلیل — عاشق وارث دیار خلیل
وسعت آسماں میں اک کوہ — ظلمت بیکراں میں اک قندیل
اس کے اشعار وجہ عزم دلیل — اس کا پیغام زندگی کی دلیل
ایک نسخۂ عالم اسلام — جس کا ہمسر نہ کوئی جس کا عدیل
خفتہ ماحول میں نوا اس کی — جیسے محشر میں صور اسرافیل

○ ○

حفیظ تائب

تو سینۂ مشرق کی صدا شاعر مشرق — تو دیدۂ ملت کی ضیا شاعر مشرق
گرماتی ہے سینوں کو تری گرمی افکار — تڑپاتی ہے ہر تیری ادا شاعر مشرق
آواز تری سب سے الگ رہبر ملت — انداز ترے سب سے جدا شاعر مشرق
مشرق ترے نغموں سے ہے معمور و منور — مغرب ترے گیتوں پہ فدا شاعر مشرق
ہو گا ابھی چرچا ترے پیغام کا کچھ اور — چمکے گا ابھی نام ترا شاعر مشرق

○ ○

اکبر کاظمی

ترے مذاق خودی سے ہوئی خرد سرشار — دیار ہوش میں ابھری خود آگہی کی فضا
شعور و فکر میں احساس کے چراغ جلے — ملی نگاہوں کو اک تازہ روشنی کی ادا
ترے ہی اسپ خودی پر سوار ہو کے بڑا — وطن پرستوں کو دنیا میں اک مقام نوی
جہان زیست میں دل کے لہو سے دیپ جلاؤ — دیا تھا تو نے ہی مشرق کو ایک پیام نوی

○ ○

مظفر وارثی

ہر دل پہ نقش ہے تری فکر جلیل کا — تو نے قلم بنایا پر جبرائیل کا
رہ ادب میں جب تری پرچھائیاں ملیں — رفعت نظر کو ذہن کو گہرائیاں ملیں
ٹکرائی وحشتیں تری کوہ حیات سے — آئینۂ خودی نہ گرا تیرے ہاتھ سے
اپنے جگر کا خون رگ دوراں میں بھر گیا — دریا کی تہہ میں مشعلیں لے کر اتر گیا
شاعر بھی تھا نقیب بھی تھا فلسفی بھی تھا — تو رند تھا مگر ترے اندر ولی بھی تھا

○ ○

انتخاب: مقبول جہانگیر

[illegible]

تجریدی انسان

علاء الدین ندوی

کہیں پڑھا تھا یا اپنے بڑے بزرگوں سے سنا تھا کہ مولانا رومؒ نے اپنے زمانہ کے کسی بزرگ کے بارے میں لکھا ہے کہ انہوں نے ایک مرتبہ دیکھا کہ ایک بزرگ اندھیری رات میں چراغ لئے کچھ تلاش کر رہے ہیں وہ قریب گئے اور تلاش و جستجو کا سبب دریافت کیا، تو انہوں نے کہا کہ میں "حیوانوں کی بستی میں" انسان" تلاش کر رہا ہوں۔ مولانا رومؒ نے کہا کہ آپ جس عنقا کی تلاش میں سرگرداں ہیں وہ عرصہ ہوا، نایاب ہو چکا ہے۔ اس پر بزرگ نے جواب دیا کہ میری عادت (ہاسلسلہ) رہی ہے کہ نہ ملنے والی چیز کی تلاش میں زیادہ ہی محنت کرتا ہوں۔

یہاں واقعہ کی صحت و صداقت سے بحث نہیں بلکہ کہنا یہ ہے کہ ۷ سو پہلے مولانا رومؒ نے جن بزرگ کے بارے میں یہ واقعہ تحریر فرمایا ہے وہ طویل زمانہ گذرنے کے بعد آج بھی اسی طرح جواں اور زندہ ہے۔ آج بھی اگر کوئی اللہ کا بندہ انسان کی تلاش میں نکل جائے تو انہی بزرگ کی طرح سے یہ عنقا شاید اس کے ہاتھ نہ آسکے "مشینی نما انسانوں" کی اس آبادی میں" انسان" کی تلاش کچھ آسان نہیں، مشینوں کا ایک سمندر ضرور نظر آئے گا جو رنگ و روپ، صورت و ساخت کے اعتبار سے انسان ہی نظر آئیں گے۔ جو رنگ برنگے کپڑوں، زرق برق لباسوں، نہایت ہی عمدہ، نفیس اور قیمتی جوڑوں میں ملبوس ہوں گے، قریب سے دیکھنے میں ان میں کشش معلوم ہو گی، نفاست و اعلیٰ ذوق نمایاں ہوگا، شائستگی و سلیقہ مندی کا اظہار ہوگا اور جب آپ کا اشتیاق آپ کو اس مشین نما انسان کے اور قریب کر دے گا تو آپ اس کے انداز میں بلا کی جاذبیت محسوس کریں گے، اس کی باتوں میں سحر ہوگا، اس کے کلام میں چاشنی، اس کی اداؤں میں شوخی و وارفتگی اور اس کی آنکھوں میں اعتماد و خود اعتمادی کے آثار نظر آئیں گے، وہ گفتار کا غازی بھی معلوم ہوگا، وہ علم و تمدن سے آشنا اور اس کا دلدادہ بھی ہوگا، ممکن ہے اس نے بڑی بڑی ڈگریاں بھی حاصل کی ہوں گی، غرض کہ اس کا سراپا شرافت و انسانیت کا نمونہ معلوم ہوگا، لیکن نہیں معلوم کہ ان پر کشش صورتوں میں کیسی کیسی کثافتیں پنہاں ہیں، اس کی جاذب نظر آنکھوں میں مکر و فریب کا کیسا جال پوشیدہ ہے، اس کی باتوں، اور اس کے کاموں میں کتنا تضاد ہے، وہ تہذیب سے واقف ضرور ہے لیکن مہذب نہیں، اس نے علم کا بلند مینار ضرور تعمیر کر لیا ہے لیکن اپنے کردار کی عمارت کو منہدم کر کے، سائنس (علم) کی کیمیاگری اور اپنی ذہنی رسائی سے وہ تاریک ادوار سے ضرور باہر نکل آیا ہے لیکن اب وہ عیاشی، تن پروری، زر پرستی اور ہوس رانی میں گرفتار ہے، جہالت کی زنجیروں سے اب وہ یقیناً آزاد ہو چکا ہے لیکن اب اس کا سارا علم و فن، اپنے کاروبار، خود فریبی و آدم فریبی کو زیادہ وسیع کرنے میں صرف ہوتا ہے۔ اس کا ظاہر بڑا ہی دلکش و دلربا ہے لیکن حقیقت میں وہ وحشی جانور ہے، اس کی آنکھیں (بصارت) روشن ہیں۔ لیکن اس کا قلب مردہ ہے اور اس کا دھڑکتا ہوا دل بے جان، سخت، جامد اور غیر متحرک بن گیا ہے۔

انسان کی اس بستی میں کوئی "حقیقی انسان" نہیں، وہ لباسوں کی آرائشوں و زیبائش، جسموں کے بناؤ سنگار اور حسن کی نمود و نمائش کے باوجود عریاں ہے، اس کے سامنے نہ تو کوئی لائحہ عمل ہے نہ کوئی مقصد حیات، نہ کوئی منزل، نہ کوئی فکر، نہ کوئی نظریہ، نہ ہی کسی" راہ عمل"، کی تلاش کا کوئی جذبہ، وہ ایک کٹی پتنگ یا کاغذ کا ایسا آوارہ ٹکڑا ہے، جو فٹ پاتھوں پر معمولی ہواؤں کی دوش سے اڑتا پھرتا ہے، انسانوں کی یہ پوری آبادی سب ایک ہی حمام میں عریاں بند ہیں۔ جیسے کسی کلب میں" انسانوں" کا ننگا ناچ ہو رہا ہو۔ "انسانیت" نالہ و شیون میں مبتلا ہو اور دوسری طرف شیطان قہقہے لگا رہا ہو۔

آج انسان ایک تجریدی آرٹ بن کر رہ گیا ہے۔ ایسا تجریدی آرٹ جس میں فن، ذوق، حسن، خوبی کا کوئی معیار ہی نہ ہو، جس میں چند دھبے یا الٹے ترچھے بے معنی نشانات پڑے ہوں پھر اس کا یہ تجریدی خاکہ کسی جگہ اس کا پیچھا نہیں چھوڑتا، ہر شہر، ہر ملک تجریدیت کی لعنت میں گرفتار، مصنوعات میں تجریدیت، ماکولات و مشروبات میں تجریدیت، ہر شعبہ، ہر محکمہ، ہر ادارہ، ہر سوسائٹی میں تجریدیت کی تعلیم، ریڈیو کے پروگراموں میں تجریدیت، اغراض و مقاصد تجریدیت سے بھرپور، فلمیں تجریدی، ٹیلیویژن کا نظام تجریدی، شعر و نثر، ادب و زبان تجریدی، عہد و پیمان تجریدی، دوستی و صداقت تجریدی، آرٹ تجریدی، رقص تجریدی، زندگی کا سارا نظام تجریدی، غرضیکہ انسان تجریدی۔

یہ انسان جو آج بام ترقی کے عروج کو چھو رہا ہے، اسے کیا معلوم کہ وہ کتنا پست ہو گیا ہے یہ اسی تجریدیت کا نتیجہ ہے جو زہر ہلاہل بن کر اس کے رگ و پے میں سرایت کر گئی ہے وہ حقائق سے دور اور فطرت سے بغاوت پر آمادہ ہو گیا ہے، وہ اخلاقی قدروں سے کنارہ کش ہوتا جا رہا ہے، وہ اپنی خلافت، اپنی امامت، اپنی ذمہ داری اپنی پیدائش کے مقصد، کائنات میں اپنی بعثت کے اغراض و مقاصد سے بے خبر و لا پروا ہو گیا ہے، وہ اسی تجریدیت کا شکار بن کر شتر بے مہار ہو گیا ہے، وہ سرگرداں ہے، پریشان ہے، کبھی الحاد و دہریت کی راہ سے، کبھی مختلف انسان کش تحریکوں اور مختلف ازموں کا سہارا لے کر اور کبھی ہپی بن کر سکون کی تلاش میں بھٹک رہا ہے لیکن اس کی اس افراتفری، اضطراب، دل کی خلش، بے چینی اور اس کے غم و درد کا کوئی مداوا نہیں۔

طویل انسانی تاریخ میں انسان کی یہ المناکیاں اور اس کی تلخیاں، ہر دور میں کسی نہ کسی دائرہ میں پائی جاتی رہیں لیکن عصر حاضر میں اس کے اندر فراریت، لاادریت اور مذہب سے بغاوت کے جو جذبات پیدا ہو گئے ہیں (یا اس نے کر لیے ہیں) اس نے اس کو ہر دور کے انسانوں سے زیادہ ہلاکت و خود فریبی میں مبتلا کر دیا ہے، معاشی برابری کے تصور نے اس کو صرف ایک" ترقی یافتہ جانور" بنا دیا ہے جس کے یہاں روح (مذہب) خالق (خدا) اور رسول (وحی) جیسی چیزوں کے لیے کوئی جگہ نہیں لیکن اگر موت کوئی با معنی شے ہے، اس کی کوئی حقیقت ہے اور اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں ہے تو مذہب اور خدا کے تصور پر یقین اس سے بھی زیادہ ہونا چاہیے لیکن اس کے بعد بھی اس حقیقت و یقین کا انکار صرف ان ذہنوں کا نتیجہ ہے جن کے بارے میں خدا کا فرمان ہے۔

ختم اللہ علیٰ قلوبھم و علیٰ سمعھم و علیٰ ابصارھم غشاوۃ۔

انسان کو تجریدیت، اباحیت، انارکی، اخلاقی گراوٹ، اور پستی سے ابھر کر بلندیوں میں آنے" انسان کامل بننے اور سچے انسان کے روپ میں جلوہ گر ہونے کے لئے خدا کا اقرار، نبوت کا اعتراف اور ان کے بتائے ہوئے اخلاقی، انسانی قدروں کو اپنانا پڑے گا، انہیں اعتماد، یقین، ایمان، صداقت، امانت داری، دیانت داری و رواداری اور مساوات و برابری جیسے اوصاف سے متصف ہونے کے لئے مذہب کا سہارا لینا پڑے گا، ورنہ انسان کبھی تجریدی دائرہ سے نجات نہیں پا سکتا اور یہی تجریدیت اسے ایک دن ضلالت کے دہانے تک پہونچا دے گی، آج حقیقی انسان کی تلاش اس دنیا میں عنقا تو ہو سکتی ہے لیکن یہ وہ عنقا نہیں ہے جو ناممکن الحصول ہو، البتہ اسکی تلاش و حصول میں دشواریاں ضرور ہیں۔

بے روزگاروں کے لئے خوشخبری

ہمارا مقصد اقلیتوں (مسلمانوں) کو ان کے قابلیت کے لحاظ سے نوکری دلانے میں مدد کرنا ہے۔ اس لیے اگر آپ بے روزگار ہیں تو مندرجہ ذیل تفصیل سے ہمیں آگاہ کریں (۱) نام (۲) ولدیت (۳) عمر (۴) ایک فوٹو (۵) پورا پتہ صاف حرفوں میں (۶) قابلیت مع سبجکٹ (۷) اگر کوئی تجربہ ہو (۸) کس ضلع میں نوکری کرنا پسند کریں گے۔

ایم علیم خاں ایڈوکیٹ
اتر پردیش مسلم تحفظ حقوق ویلفیئر کمیٹی
لال کنواں۔ چپان۔ لکھنؤ

براہ کرم مضامین صاف اور خوش خط ارسال کریں۔

افکار و مسائل

بھٹو اپنے کردار کی روشنی میں

عبدالحکیم ... [illegible]

اگرچہ ذوالفقار علی بھٹو قتل کی ایک سازش میں بڑے مجرم کی حیثیت سے پھانسی کی سزا پا کر اپنے انجام کو پہنچ گئے۔ تاہم ملک اور قوم کے خلاف اُن کے جرائم کی فہرست بہت بھیانک ہے اور یہ امر باعث افسوس ہے کہ ابھی تک قوم اور ملک کے سامنے انہیں پوری طرح بے نقاب نہیں کیا گیا۔ اگر یہ معاملہ محض قتل کی ایک واردات پر مبنی ہوتا تو عوام کی جانب سے کسی مضبوط احساس کا کسی بھی رخ سے اظہار غیر معمولی بات نہ تھی اور مجرم کے لئے رحم کی اپیل کا وہ اعادہ نہ ہوتا جو عموماً ایسے حالات میں متوقع ہوتا ہے سربراہان مملکت کی جانب سے آئے دن کسی ذہنی انقلاب کے بغیر رحم کی اپیلیں مسترد ہوتی رہتی ہیں اور ان پر عمل بھی کیا جاتا ہے۔ لیکن موجودہ صورت حال میں بھٹو کیلئے بعض دلوں میں ہمدردی اور نرمی کے جو جذبات ابھرے، اُن کا ایک پس منظر ہے جس کے تحت اس واردات کو دیکھنا چاہیے جو وقوع پذیر ہوئی۔ بھٹو نے اپنے سیاسی مخالفوں کو دبانے اور کچلنے کے لئے سرکاری مشینری کو استعمال کیا اور یہ کام ایسے شخص نے کیا جسے قوم نے پورے اعتماد اور بھروسے سے ملک کا اقتدار سونپا تھا اُسے سیاہ و سفید کا مالک بنایا تھا۔ اسی نے اس ملک کی مادی اور نظریاتی بنیادوں کو تباہ و برباد کرنا چاہا۔ بھٹو اس مذموم مقصد کے لئے اس نے اپنے لامحدود اختیارات [illegible]

لیے تو اس کی سزا موت کے سوا اور کچھ نہیں ہوتی چہ جائیکہ ایسا اہم فرد جسے پورے یقین اور اعتماد کے ساتھ قوم نے بڑے منصب پر فائز کیا ہو جب وہ اس اعتماد اور یقین کو ٹھیس پہنچائے تو اسے کیوں کر نظر انداز کیا جا سکتا ہے؟

ہمیں بہر حال اس تلخ اور شدید حقیقت کا سامنا کرنا ہی ہوگا کہ پاکستان میں اب تک جو حالات زوال پذیر ہوئے ہیں اُن کا ابتدائی سبب یہی ہے کہ ہم نے ایسے افراد کے لئے اپنے دلوں میں نرم گوشہ پیدا کیا جو اپنے قول و فعل سے نفرت، حقارت اور دشمنی کا پرچار کرتے رہے انہوں نے تعمیر وطن میں حصہ لینے کی بجائے تخریب کا کاروبار پسند کیا اور یہ اُس زمانے سے ہوا جب مسلم لیگ جو پاکستان کی خالق جماعت تھی، اپنے فرائض سے غافل ہو کر ذاتی اغراض کی دھڑے بندیوں میں بٹ گئی اور اس طرح جو سیاسی خلا پیدا ہوا، وہ ان بدکردار و بدا عمال افراد نے پر کرنا چاہا جو ملک سے کوئی ہمدردی نہ رکھتے تھے بلکہ اس کی نظریاتی بنیادوں کی بیخ کنی میں مصروف رہے۔ اس طرح پاسداری اور وفاداری کا سرے سے کوئی معیار ہی باقی نہ رہا۔ نتیجہ یہ کہ وہ ملک جو نظریاتی بنیادوں پر مربوط و متحد تھا نہ صرف داخلی طور پر ضعف کا شکار ہو گیا بلکہ خارجی طور پر وہ لوگ اس کے خلاف سرگرم سازش ہو گئے جو اس کے نظریات پر ایمان نہیں رکھتے تھے اور اسے ختم [illegible]

باہمی دوستی کا رشتہ استوار ہوتا چلا گیا۔ بھٹو نہایت چالاق اور تیز ذہانت کا مالک تھا۔ اس کی نشست و برخاست اور گفتگو کا انداز بھی دل کش تھا۔

[illegible]

سید محمد حسنی نے ... پریس سے طبع کرا کر، دفتر سے شائع کیا۔
ایڈیٹر: اسحٰق جلیس ندوی
کتابت: جلال ... ندوی

[illegible]

افسوس ناک طرز عمل

[illegible]

پاکستان کی بنیاد

[illegible]

قرار داد لاہور

[illegible]

فسطائی ذہن

[illegible]

ترپ کا پتہ

[illegible]

[illegible]

شیخ مجیب الرحمٰن سے ملاقات

[illegible]

بھٹو نے سپریم کورٹ میں کہا کہ جو علاقے کہ [illegible] کا حق حاصل ہے وہ وفاقی نظریئے پر زیادہ سے زیادہ اصرار کرتے تھے۔ ان کا مقصد یہ ظاہر کرنا نہیں تھا کہ مملکت کا آئینی اور نظام وفاقی تصور پر مبنی ہے بلکہ یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ مملکت الگ الگ ٹکڑوں کا ایک مجموعہ ہے جن کا کوئی ربط نہیں، تمام اختیارات کو مرکز میں جمع رکھنے کے بارے میں بھٹو کا تصور صرف یہ تھا کہ ان کی ذات کو فائدہ پہنچے۔ وہ مرکزیت کا تصور بھٹو کے ذہن میں یہ تھا کہ تمام اختیارات کی سرچشمہ انہی کی ذات ہو۔ حقیقت یہ تھی کہ وہ علاقائی خود مختاری کے نظریئے پر سختی سے قائم تھے۔ انہوں نے بلا شرکت غیرے تمام اقتدار حاصل کر لیا اور وہ اسے ہر قیمت پر برقرار رکھنا چاہتے تھے۔ انہوں نے اقتدار کی اس طاقت کو ملکی معاشرے کی دھجیاں اڑانے کے لئے استعمال کیا۔ اپنے اقتدار کے پہلے دور میں وہ اپنے مقصد میں قدرے کامیاب رہے۔ اس دور میں علاقائی تقویت کو بالا دستی حاصل ہو گئی جو پہلے کبھی حاصل نہیں ہوئی تھی اگر خدا نخواستہ انہیں مزید برسر اقتدار رہنے کا موقع مل جاتا تو وہ عمل جو انہوں نے شروع کیا تھا، مکمل ہو جاتا اور پاکستان ختم ہو جاتا۔ بھٹو سوشلزم کا پرچار کرتے تھے۔ اسلام کی حیثیت ثانوی تھی۔ تیسری دنیا کی اہمیت بڑھاتے تھے جس کا مقصد یہ تھا کہ علاقائی قومیت اور [illegible] کا وہی اصول غالب آ جائے جسے مسلمان قوم نے اسلامی مملکت بنانے کی خاطر مسترد کر دیا تھا۔

اگرچہ میں چھ سال تک بھٹو کی مخالفت کرتا رہا لیکن میں نے ان کے [illegible] پر تنقید [illegible] کی چونکہ مجھے زیادہ فکر اور پریشانی ان کے عقائد، پالیسیوں اور افعال کے مقاصد کے بارے میں تھی [illegible] اسی نتیجے پر پہنچا کہ بھٹو پاکستان کو تباہ کرنے پر تلا ہوا ہے میں پاکستان کو ہر چیز پر مقدم رکھتا ہوں کیونکہ اپنے بزرگوں، ہم وطنوں کی طرح اس کے قیام کی جدوجہد میں میری حقیر کوششیں بھی شامل ہیں۔ مجھے احساس ہے کہ مسلمانوں اور اسلام کے مستقبل میں پاکستان کو کلیدی حیثیت حاصل ہے یہ ملک نہ صرف ان کروڑوں انسانوں کی تمناؤں کا مظہر ہے جو آج اس میں رہتے ہیں بلکہ ان اربوں افراد کا بھی وطن بنے گا جو آئندہ پیدا ہوں گے میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ قائد اعظم نے اس کے لئے کتنی انتھک جدوجہد کی۔ وہ انگریزوں اور ہندوؤں کی مشترکہ اور عظیم قوت کے خلاف صف آرا تھے۔ عمر رسیدہ ہونے، بیمار ہونے، ٹی بی کے مریض ہونے کے باوجود انہوں نے جہاد جاری رکھا اور یہ جہاد انہوں نے نہ صرف اپنے [illegible] اور جذبے سے جاری رکھا بلکہ اس کے مقصد کے لئے انہوں نے اپنا تمام مادی اثاثہ وقف کر دیا انہوں نے اپنی توانائی اور دولت قوم کے لئے وقف کر دی تاکہ اسے ایک وطن میسر آ جائے جہاں وہ اپنے عقائد کے مطابق زندگی بسر کر سکیں۔ اس کے علاوہ ان کا تصور یہ تھا کہ پاکستان دنیائے اسلام کے اتحاد کی کنجی ہے اور جب کوئی یہ دیکھے کہ وہ عظیم تابناک تصور بھٹو نامی فرعون صفت اور دولت ایمان سے محروم شخص پامال کرنے پر تلا ہوا ہو تو یہ ناممکن ہے کہ بغاوت نہ کی جائے اگر میں قتل ہو جاؤں تو پاکستان صفحہ ہستی سے نابود ہو جائے گا یہ اور اسی قسم کے فقرے بھٹو کے تکیہ کلام تھے۔ وہ خود کو ملک اور قوم سے کوئی بالاتر ہستی سمجھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ قوم ان کے خلاف اٹھ کھڑی ہوئی، ۷۷ء کی تحریک سے یہ پتہ چل گیا کہ ان کا قد و قامت کیا ہے بھٹو کو [illegible] صورت میں تختہ دار پر چڑھنا تھا خواہ قتل کے جرم میں ان کو پھانسی دی جاتی یا غداری پر۔

براہ کرم! جوابی طلب امور کے لئے جوابی خط ارسال کریں۔
(منیجر)

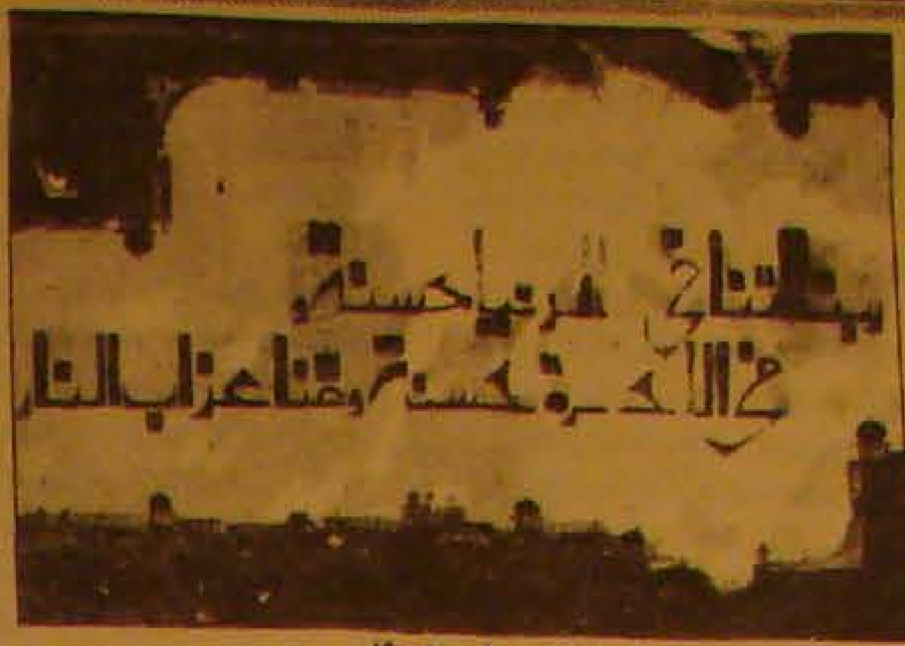

عمل: اسلم کمال

نعت
پروفیسر عنایت علی خاں

مجھے تو نے جو بھی ہنر دیا، بکمال حسن عطا دیا
مرے دل کو حب رسول دی، مرے لب کو ذوق نوا دیا

کسی غمگسار کی محنتوں کا یہ خوب میں نے صلہ دیا
وہ جو میرے غم میں گھلا کیا، اسے میں نے دل سے بھلا دیا

جو جمال رخ حیات تھا جو دلیل راہ نجات تھا
اسی راہبر کے نقوش پا کو مسافروں نے مٹا دیا

ترے حسن خلق کی چھوٹ تک، مری زندگی پہ نہ پڑ سکی!
یہ میں مطمئن ہوں کہ شہر کے در و بام کو تو سجا دیا

یہ مری عقیدت بے بصر، یہ مری ارادت بے ثمر
مجھے میرے دعویٰ عشق نے نہ صنم دیا نہ خدا دیا

میں ترے مزار کی جالیوں ہی کی مدحتوں میں مگن رہا
ترے دشمنوں نے ترے چمن میں خزاں کا جال بچھا دیا

ترے نور و بدر کے باب کے میں ورق الٹ کے گزر گیا
مجھے صرف تیری حکایتوں کی روایتوں نے مزہ دیا

کبھی اے عنایت کم نظر ترے دل میں یہ بھی کسک ہوئی
جو تبسم رخ زیست تھا اسے تیرے غم نے رلا دیا!

یروشلم یروشلم
نعیم صدیقی

(مصر اور اسرائیل کے درمیان امریکہ کی سرپرستی میں ہونے والے معاہدۂ امن پر آج دستخط ہو رہے ہیں جس کے خلاف پورا عالم اسلام صدائے احتجاج بلند کر رہا ہے)

ہوا کل رات سے آج، بپا یہ [illegible]
شکست آرزو کا کیا، فسانہ ہو سکے رقم
[illegible]
یروشلم یروشلم!

وہ خادمین کعبہ کی صفیں [illegible]
[illegible]
کلیسا، کنشت، دیر، صومعہ، سبھی بہم
یروشلم یروشلم!

یروشلم، یروشلم، تو اک حرم محترم
[illegible]
[illegible] چشم نم
یروشلم یروشلم!

عرب کے پیارے بھائیو، [illegible]
[illegible]
[illegible]
یروشلم یروشلم!

جہاں کی ساری [illegible]
کئی [illegible]
تمہارے [illegible] کے لئے، [illegible] قدم قدم
یروشلم یروشلم!

جبیں سے جو کہ عرش کو، سواریاں [illegible]
ابھی تک ان فضاؤں میں ہے اک مہک بسی ہوئی
یہاں کی خاک پر پڑے، براق نور کے قدم
یروشلم یروشلم!

نماز بے مثال یاں، وہ [illegible]
بہ اقتدائے مصطفیٰ، حبیب خاص کبریا
کھڑے تھے ایک قطار میں [illegible] انبیاء قدم
یروشلم یروشلم!

[illegible]
[illegible]
[illegible]
یروشلم یروشلم!

یہ راہ داستان [illegible]
[illegible]
مثال زلف یار ہیں [illegible]
یروشلم یروشلم!

ہمارے ارد گرد ہیں، [illegible]
ادھر بھی [illegible]، ادھر بھی [illegible]
ادھر ہے ناوک ستم، ادھر ہے ناوک ستم
یروشلم یروشلم!

[illegible]
[illegible]
[illegible]
یروشلم یروشلم!

مرے دیار پاک میں، [illegible]
[illegible]
[illegible]
یروشلم یروشلم!

اگر خدا نصیر ہو، اگر خودی میں خم نہیں
ہماری راہ شوق میں [illegible] نہیں
[illegible]
یروشلم یروشلم!

ابھی کثیر [illegible]، ابھی ہزار [illegible]
ابھی طویل فاصلے، ابھی ہزار [illegible]
دیار کا [illegible] مسجد یروشلم
یروشلم یروشلم!

متاع شوق اور کیا، بس اک نام مصطفیٰ
شعور حق، جنون دیں، دل [illegible]، لب دعا
ہمارے پاس اور کیا [illegible] جام جم
یروشلم یروشلم!

پھر ایک بار آئیں گے، یہ جاں نثار آئیں گے
اجل کے دوش پر سوار، [illegible] آئیں گے
[illegible]
یروشلم یروشلم!

از: ابو علی دار المصنفین اعظم گڑھ

مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی کی یاد

شاہ صاحب نے مستقل تصنیفات کے علاوہ معارف میں تاریخی، ادبی، تنقیدی، تحقیقی اور علمی مقالات بھی لکھے ہیں، مستشرقین یورپ کے اعتراضات کے رد بھی لکھے ہیں، منکرین حدیث کے جوابات بھی لکھے ہیں اور معارف کے مستقل عنوانات تقریظ و انتقاد اور مطبوعات جدیدہ کے تحت بہت سی عربی و فارسی و اردو کتابوں اور اردو رسالوں کے سالناموں اور خاص نمبروں پر تبصرے بھی لکھے ہیں، ان میں وقت کے ایک مشہور اہل قلم اور مصنف عبد الوحید خانصاحب کی کتاب تاریخ افکار و سیاسیات اسلامی پر بہت ہی محققانہ، عالمانہ اور فاضلانہ تبصرہ بھی ہے جو معارف میں مسلسل کئی مہینہ تک چھپتا رہا اور لوگ اس کو دلچسپی سے پڑھتے رہے، اس کتاب میں اسلامی تاریخ کے بالقصد ایک پہلو ہی کو پیش کیا گیا ہے، شاہ صاحب نے لکھا کہ مصنف کے تاریخ اسلام لکھنے کا یہی انداز قائم رہا تو وہ اسلام کی پوری تاریخ کو جو مسلمانوں کے شاندار کارناموں سے لبریز ہے مسخ کر کے رکھ دیں گے۔ اس وقت اس کتاب کی بڑی شہرت تھی لیکن پھر وہ پردہ گمنامی میں چلی گئی۔ اور دو یک فرمائشی مضمون بھی لکھے ہیں ایک "اردو شاعری میں ہند و کلچر اور ہندوستان کے طبعی و جغرافی اثرات" اور ایک "اردو زبان کی لسانی، علمی اور تمدنی حیثیت" یہ دونوں مضمون سید صاحب کی فرمائش سے لکھے تھے اور ہندوستانی اکاڈمی کے سالانہ جلسوں میں پڑھے تھے، سید صاحب کے بھوپال کے زمانۂ قیام میں آل انڈیا ہسٹاریکل کانگریس کی فرمائش پر "فتح افغانستان" کے عنوان سے ایک مضمون لکھا تھا اور اس کا انگریزی میں ترجمہ کرا کے کانگریس کو بھیجا تھا۔ تحقیقی اور علمی مضامین کے مقابلہ میں ادبی و تنقیدی مضامین کی تعداد زیادہ ہے، انہی کا ایک مجموعہ ادبی نقوش کے نام سے فروغ اردو لکھنؤ نے انہی کی زندگی میں شائع کیا تھا اس میں ان کے وہ دونوں مذکورہ بالا مضامین بھی آ گئے ہیں، جو انہوں نے ہندوستانی اکاڈمی کے لئے لکھے۔ پھر بھی مضامین کے مقابلہ میں مختلف موضوع پر مستقل کتابیں ایک درجن کے قریب لکھی ہیں، پہلے تو انہوں نے دار المصنفین کے سلسلۂ مہاجرین کو مکمل کیا، جس کا آغاز ان ہی کے ہم نام مولانا حاجی معین الدین ندوی بہاری نے کیا تھا، اور انہوں نے خلفاء راشدین اور مہاجرین جلد اول کے نام سے دو کتابیں لکھیں، یہ دونوں کتابیں مکمل تو ضرور تھیں، لیکن مقدمے باقی رہ گئے تھے، پہلے شاہ صاحب نے ان دونوں پر بہت مفصل مقدمے لکھے، اس کے بعد تین کتابیں خود لکھیں اور اس سلسلہ کو مکمل کر دیا ان میں "سیر الصحابہ" جلد ششم بہت اہم ہے، جس میں وقت کے چار مدعیان خلافت کے حالات لکھے ہیں، اس میں شاہ صاحب نے مورخانہ غیر جانبداری کا پورا حق ادا کر دیا ہے اور کسی کی طرف انصاف کا پلہ جھکنے نہیں پایا ہے، یہ چاروں حضرات مختلف حیثیتوں سے بڑی اہمیت کے مالک ہیں اور خلافت کے سلسلہ میں ان کے باہمی نزاعات نے امت میں بڑے اختلافات پیدا کر دیے ہیں، اور ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے گروہ کی عقیدت و محبت کا مرکز ہے، اس لیے ان کے حالات اس طرح لکھنا کہ تاریخی حقائق کا دامن بھی ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے، اور کسی گروہ اور جماعت کے جذبات عقیدت کو ٹھیس بھی نہ لگے، بڑا ہی مشکل کام تھا، گویا دریا میں کودنا اور دامن کو تر ہونے سے بچانا تھا، شاہ صاحب جس خوش اسلوبی سے اس سے عہدہ برآ ہوئے ہیں اور جس طرح اپنے قلم کو جادۂ حق پر رکھنے کی کوشش کی ہے وہ ان کی تصنیفی عبادت کا ثبوت ہے۔ امت کے ہر طبقہ نے اس کو پسند کیا، اور اس پل صراط سے گذر جانے پر ان کو خراج تحسین پیش کیا ہے، یہ اردو میں ان چاروں دعویداران خلافت کے حالات میں پہلی مستند کتاب ہے اور اب تو حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ اور یزید بن معاویہ کے باہمی اختلافات اور معرکۂ کربلا پر، مراثی کے علاوہ جن کا ایک عظیم الشان دفتر اردو میں موجود ہے اور جن کو دنیا کی دنیا کی مختلف زبانوں کی رزمیہ نظموں کے مقابلہ میں فخر کے ساتھ پیش کیا جا سکتا ہے، اردو میں ایک بہت بڑا سرمایہ جمع ہو گیا ہے اور اس کا سلسلہ اب تک جاری ہے، ہمارے نزدیک اردو کے اس سارے لٹریچر میں شاہ صاحب کی کتاب ہر حیثیت سے بہت ہی متوازن ہے، اور اپنے موضوع پر جامع اور مکمل ہے، لیکن خود شاہ صاحب کی نگاہ میں اپنی اس گرانقدر کتاب کی کچھ زیادہ اہمیت نہیں تھی، دار المصنفین کے پہلو میں اعظم گڑھ کے بار ہاؤس کے ایک ممتاز ترین وکیل بیج ناتھ مصرا تھے جن کے صاحبزادے کنھیا لال حکومت اتر پردیش کے ایڈوکیٹ جنرل تھے، یہ اکثر دار المصنفین کی علمی و ادبی ترقیات کا جائزہ لینے کے لئے وہاں آیا کرتے تھے اور ان کو اردو کی خدمت پر جو اس ادارہ میں ہو رہی تھی بڑا رشک ہوتا تھا، چاہتے تھے کہ اسی طرح ہندی کی خدمت کا بھی کوئی ادارہ اعظم گڑھ میں قائم ہو جاتا تو اچھا تھا، انہوں نے ایک مرتبہ شاہ صاحب سے امام حسین رضی اللہ عنہ کے حالات میں اردو کی ایک کتاب پڑھنے کے لئے مانگی، تو انہوں نے بجائے اپنی کتاب دینے کے ایک مصری کتاب کا ترجمہ دیا جو دو جلدوں میں تھا۔ وہ جب چلے گئے تو میں نے کہا کہ آپ نے اپنی کتاب دینے کے بجائے ترجمہ والی کتاب کیوں دی ان کے لئے آپ کی کتاب موزوں تھی، کہ یہ محققانہ بھی تھی، سلیس بھی تھی، عام فہم بھی تھی اور بہت شگفتہ بھی ترجمہ میں بھلا یہ خوبیاں کہاں ہوں گی۔ وہ تو محض کتاب کا سپاٹ ترجمہ ہو گا، انہوں نے کہا کہ یہ کتاب بہت اچھی ہے، اس سے ان کو معرکۂ کربلا کی پوری تفصیل معلوم ہو جائے گی۔

شاہ صاحب اپنے پورے دور نظامت میں اپنی زندگی کی دو آخری کتابوں کی تالیف میں مشغول رہے، ایک دین رحمت جس میں نہایت تفصیل کے ساتھ اسلام کی اخلاقی تعلیمات پیش کی گئی ہیں اور دوسرے مذاہب کے مقابلہ میں ان کو فوقیت دکھائی گئی ہے، دوسری جانشین شبلی مولانا سید سلیمان ندوی کے حالات میں "حیات سلیمان" جس کے لئے ان کا انتخاب اول ہی روز ہو گیا تھا اور ان سے زیادہ اس کام کے لئے ندوہ، دار المصنفین اور معارف کے حلقہ میں کوئی اور موزوں بھی نہیں تھا ان کو اور لوگوں کے مقابلہ میں سید صاحب کی رفاقت کا بہت طویل زمانہ ملا۔ ان ہی کی رہنمائی میں اپنی تمام کتابیں لکھیں، چار حصوں میں تاریخ اسلام لکھی، مستشرقین اسلام کے جواب میں متعدد مضامین لکھے، اور سید صاحب کے طرز اور اسلوب میں شذرات بھی لکھنے شروع کر دیے۔ اس کتاب کی تالیف کے وقت خود حیات شبلی کے علاوہ جس میں قدم قدم پر سید صاحب ندوہ کی طالب علمی کے زمانہ سے لے کر مولانا شبلی کی وفات نومبر ۱۹۱۴ء تک اپنے حالات بھی لکھتے چلے گئے ہیں، صحیح کے صحیح انہی کے حالات میں ہیں، دوسرے ماخذ اور سید صاحب کے قلم کی اور تحریروں کے ساتھ سید صاحب سے متعلق اپنے ذاتی مشاہدات، چشم دید حالات و واقعات بھی پیش نظر تھے، جن کا شاہ صاحب سے بڑھ کر کوئی اور مستند راوی نہیں ہو سکتا تھا پھر بھی اس کتاب کی تکمیل پر کس خاکسارانہ انداز میں لکھتے ہیں کہ،

"یہ حقیر کوشش ناظرین کی خدمت میں پیش ہے، اس سے سوانح عمری کا حق تو ادا نہیں ہوا لیکن اپنے مقدور بھر کوشش اس کی ضرور کی گئی ہے کہ اس آئینہ میں صاحب سوانح کا مرقع نظر کے سامنے آ جائے۔"

شاہ صاحب کی زندگی کا ایک اہم کارنامہ سید صاحب کے بعد معارف کے علمی و تحقیقی معیار کو قائم رکھنا بھی ہے جس کی داد خود سید صاحب نے زندگی ہی میں اپنے زمانۂ قیام پاکستان میں دے دی تھی۔ انہوں نے اس معیار کو قائم رکھنے میں بقول سید صباح الدین عبد الرحمن صاحب کے بڑی بہترین

بقیہ صفحہ ۲۵ پر

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد

شمس الہدیٰ بھاگلپوری ۔ متعلم ندوہ

پاکستان کے سابق وزیر اعظم ذوالفقار علی بھٹو کو قتل کے الزام میں عدالت سے سزا کا فیصلہ صادر ہونے کے بعد پھانسی دے دی گئی تو دنیا میں کہرام مچا کہ وزیر اعظم اور صدر جیسے مناصب جلیلہ پر فائز رہنے والوں کے ساتھ یہ سلوک نہیں کیا جاتا اور بیرونی ذرائع ابلاغ نے ایسا طومار باندھا کہ پاکستان میں عدالت کی سزا پر عمل درآمد کر کے گویا کوئی بڑا گھناؤنا جرم کیا گیا ہے، پاکستان گویا وحشیوں کا ملک ہے۔ حالانکہ یہ وہی ممالک ہیں کہ جہاں ملکہ کی بیٹی کا ٹریفک کے قواعد کی خلاف ورزی میں چالان ہو جائے اور عدالت سے چند پونڈ کے جرمانے کی معمولی سی سزا ہو جائے تو اس ملک کے اخبار اس خبر کو یوں اچھالتے ہیں گویا انہوں نے پوری انسانیت اور اس کی تہذیبی ارتقاء کی تاریخ کو حسن بخش دیا۔ اس واقعہ کو اس طرح نمایاں کیا جاتا ہے کہ گویا تاریخ عالم میں قیام انصاف کی ایسی شاندار کوئی نظیر مل ہی نہیں سکتی لیکن مشرق میں اگر عدل کی یہ مثال قائم ہو رہی ہو کہ سربراہ حکومت جو سب کی جانوں کا آئینی، قانونی اور اخلاقی محافظ ہوتا ہے خود کسی کے جان کے اتلاف کا محرک ثابت ہو جائے اور بلا امتیاز ادنیٰ و اعلیٰ عدالت کے فیصلے کے مطابق اس کو پھانسی دی جا رہی ہو تو یہ ممالک انسانیت کشی کے الزامات کا طومار باندھ کر پاکستان جیسے ممالک پر درندوں کا باڑہ ہونے کا گمان کرتے ہیں چنانچہ ۴ اپریل کے واقعہ پر مغربی دنیا کا ردعمل کچھ ایسا ہی ہے۔

بھٹو دور میں درجنوں سیاسی قتل ہوئے مگر ایسی درجنوں وارداتوں کے کسی ذمہ دار فرد کو کسی قانونی عدالت سے سزا نہ ہوئی یہی نہیں کہ بھٹو صاحب نے ان تمام معاملات میں اپنی ذمہ داری پوری کرنے سے پہلوتہی کی بلکہ ان کے سلسلے میں اپنی ناکامی کی ذمہ داری کا اعتراف قوم سے کر کے بھی معذرت طلب نہ ہوئے ان کے دور میں انفرادی قتل کے علاوہ جلسوں میں قتل عام ہوا، سڑکوں پر بے گناہ انسان پرندوں کی طرح شکار کئے گئے ان سب مظالم کی ذمہ داری کبھی بھٹو صاحب نے قبول نہ کی نہ عوام سے کبھی اظہار ندامت کیا۔ پیرزادہ سے یہ خبر ملی کہ وہ نواب احمد خاں کے قتل کے سلسلہ میں کسی بندے سے تو کُجا اللہ سے بھی رحم نہ مانگیں گے کیونکہ وہ بے گناہ ہیں۔ کاش انہیں اللہ سے رجوع کرنے اور اپنے اہل وطن کے سامنے فراخ دلی سے اپنے ظلم اور غلطیوں کے اعتراف کی توفیق ہوتی یہ ان کے نیکی کی علامت اور بڑائی کی دلیل ہوتی مگر افسوس آخر دم تک وہ یہ علامت اور دلیل پیش کرنے سے قاصر رہے۔

بھٹو صاحب کو یہ توفیق نہ ہوئی مگر عباس ہویدا نے اپنی زندگی کے آخری لمحات میں اقبال جرم کر لیا انہوں نے اپنی ندامت کا اظہار کرتے ہوئے اپنے اہل وطن سے اپنے مظالم کی معافی مانگی خصوصاً ان نوجوانوں سے کہ جن کو ان کے دور میں گرفتار کیا گیا اور اذیتیں پہنچائی گئیں انہوں نے اللہ تعالیٰ سے بھی اپنے گناہوں کی معافی مانگی بھٹو صاحب سے بھی ایسی ہی غلطیاں ہوئی تھیں مگر انہیں تو اپنے عوام سے معافی مانگنے یا خدا سے رحم طلب کرنے کی توفیق نہ ہوئی۔ یہ فرق دونوں مرنے والوں میں ظاہر ہوا۔ عباس ہویدا یقیناً بھٹو سے بڑے انسان ثابت ہوئے۔

بھٹو پر اختیارات کے ناجائز استعمال اور متعدد بد قاعدگیوں کے سنگین الزامات کی بنا پر بھی کئی مقدمات قائم کئے گئے تھے لیکن سب سے پہلے قتل کے اس مقدمہ کو لیا گیا تھا جو خود بھٹو کے دور حکومت میں شروع ہوا اور اس کیس میں عدل و انصاف کے تقاضے پورا کرنے میں کسی کوتاہی سے کام نہیں لیا گیا اور کسی بے جا عجلت کو راہ نہیں دی گئی۔ بھٹو کو اپنے قانونی دفاع کے لیے وہ تمام سہولتیں فراہم کی گئیں جو ضابطے کے تحت قتل کے کسی ملزم کو مہیا کی جاتی ہیں بلکہ متعدد سہولتیں عام روایات سے ہٹ کر دی گئیں۔ بھٹو اور ان کے وکلاء نے عدالت پر مکمل اعتماد کا بھی اظہار کیا پاکستان کے تمام ماہرین قانون ۔۔۔ اور بعض بین الاقوامی شہرت کے بیرونی ماہرین قانون نے بھی یہ اعتراف کیا کہ قتل کے اس مقدمہ کی سماعت عدل و انصاف کے اعلیٰ سطح پر اور بہترین و مسلمہ قانونی و عدالتی روایات کے مطابق عمل میں آئی۔ صدر ضیاء الحق نے بھی بار بار یہ یاد دہانی کرائی کہ وہ عدل و انصاف کے تمام تقاضوں کو پورا ہونے دیں گے اور عدالت عظمیٰ جو بھی فیصلہ دے گی اس کو نافذ کر کے اس کی بالادستی اور احترام کو پوری طرح برقرار رکھیں گے۔ انہوں نے ایسا ہی کیا پاکستان میں عدلیہ کی بالادستی کا یہ ایک بہت بڑا اظہار ہے اس سے پوری عالمی برادری کو یہ گہرا تاثر ملا ہے کہ پاکستان میں عدلیہ ایک ایسا بالادست ادارہ ہے جس کو کوئی طاقت عدل و انصاف کے تقاضے پورے کرنے سے روک نہیں سکتی اور اس کے احترام کو مجروح نہیں کر سکتی۔

بھٹو کی موت سے بھٹو کے لواحقین اور چاہنے والوں کو صدمہ ہونا ایک فطری بات ہے، لیکن اس سے بھی زیادہ صدمہ بی بی سی کو ہوا ہے کیونکہ گذشتہ دو ماہ سے بھٹو کے حق میں اس کی تحریک ناکام ہو چکی ہے اس نے جو توقعات وابستہ کی تھیں ناکام ہو گئیں بی بی سی کو شکایت ہے کہ ۔۔ پھانسی رات کے دو بجے کیوں دی گئی؟

پھانسی کی تاریخ، وقت اور جگہ کا اعلان پہلے سے کیوں نہیں کیا گیا؟

نظر بند بیوی اور بیٹی کو میت کے ساتھ جانے کی اجازت کیوں نہیں دی گئی ۔۔۔؟

لندن میں مقیم بچوں کو والدسے آخری ملاقات کیوں نہیں کرائی گئی؟

کارکنوں کو بڑی تعداد میں گرفتار اور انہیں کوڑوں کی سزائیں کیوں دی گئیں؟

مندرجہ بالا شکایتیں مرحوم بھٹو کے لواحقین یا خیر خواہوں کو تو ہو سکتی ہے لیکن جس کی تاریخ ظلم و ستم سے بھری ہوئی ہو ایسے انگریز کے ٹھیکیدار "بی بی سی" کو زیب نہیں دیتی۔

بی بی سی آج جس جمہوریت اور عدل و انصاف کی ڈفلی بجانے میں مصروف ہے اس جمہوریت و عدل کے بانی برطانیہ نے ایسے گھناؤنے مظالم ڈھائے ہیں کہ آج بھی تاریخ کے سیاہ صفحات اس کی گواہی دے رہے ہیں۔

ہم یہ چاہتے ہیں کہ بھٹو کے ختم ہو جانے کے بعد اب ان کے بارے میں مخالفانہ باتیں نہ کی جائیں کیونکہ مرنے والوں کو برا کہنا اچھا نہیں لیکن اگر دوسری طرف سے بھٹو کو "مہاتما" بنا کر پیش کیا جائے اور اس کی تصویر کی پرستش ہو، تصویریں چھاپی جائیں، تو جواباً بھی حقائق پیش کیے جائیں گے اور اس کی ذمہ داری ان لوگوں پر ہوگی جو نادانی میں یا دانستہ اب بھی بھٹو کی تعریف کر کے ان مخالفوں کو بھٹو کی بداعمالیاں یاد دلانے پر مجبور کرتے ہیں۔ کیا یہ واقعی بھٹو دوستی ہے ہم پھر عرض کرتے ہیں کہ بھٹو ختم ہو گئے اب انھیں مثبت یا منفی طور پر موضوع گفتگو نہ بنایا جانا چاہیے اب عوام کے مسائل پر اور پاکستان میں ایک نئے نظام "اسلامی" کی استواری پر گفتگو ہونا چاہیے ماضی کو حال میں گھسیٹ کر لانا اچھا نہیں۔

سلطنت موحدین کا حوصلہ مند فرماں روا عبد المومن اندلس پر اپنے قبضہ کو مکمل کرنے کے بعد سارے یورپ کو فتح کرنا چاہتا تھا۔ مگر اس کی عمر نے وفا نہ کی۔ وہ پانچ لاکھ کے ناقابل تسخیر لشکر کو لے کر آگے بڑھنے والا تھا کہ جمادی الثانی ۵۵۸ھ میں اس کا انتقال ہو گیا۔ تاہم اس کی اگلی پشت میں امیر ابو عبد اللہ محمد ناصر لدین اللہ کے زمانہ حکومت (۵۹۵ھ – ۶۱۰ھ) میں خود یورپ کی سیاست نے اس خواب کی تکمیل کے اسباب پیدا کر دیئے۔ اگرچہ ناصر لدین اللہ کی کم ہمتی کی وجہ سے یہ خواب تکمیل کو نہ پہنچ سکا۔

اس زمانہ میں جان لاک لینڈ (۱۱۶۷ء – ۱۲۱۶ء) انگلستان کا بادشاہ تھا۔ یہی وہ بادشاہ ہے جس نے مشہور میگنا کارٹا (منشور آزادی) پر ۱۲۱۵ء میں دستخط کئے تھے۔ اسی کے زمانہ میں ملک کے کچھ امراء نے اپنے حقوق کی آزادی کا مطالبہ کیا۔ امراء اور بادشاہ کے درمیان کش مکش بڑھی۔ پوپ انوسنٹ سوم (۱۱۶۰ – ۱۲۱۶ء) نے اس معاملہ میں امراء کا ساتھ دیا لندن کا پادری رابرٹ، جو اس مقابلہ میں بادشاہ کے ساتھ تھا، پوپ نے اس کو کلیسا سے خارج کر دیا۔ ان حالات میں شاہ جان نے یہ منصوبہ بنایا کہ وہ اندلس کے مسلم حکمران کا تعاون حاصل کر کے اپنے حریفوں کو شکست دے۔ اس نے ۱۲۱۳ء میں ناصر لدین اللہ کے پاس ایک خفیہ سفارت بھیجی۔ اس سفارتی وفد کے ارکان یہ تھے: ٹامس ہارڈنگٹن، رالف فزنکولس، ماسٹر رابرٹ۔ یہ وفد سمندری سفر کر کے مراقش پہنچا جہاں ناصر لدین اللہ مقیم تھا۔ وفد کے ارکان وسیع محل کے ایوان اور ڈیوڑھیوں سے گزرتے ہوئے، جن کے دونوں طرف شاہی خدام کی صفیں کھڑی ہوئی تھیں، امیر ناصر لدین اللہ کے سامنے پہنچے۔ انھوں نے امیر کو شاہ جان کا خط پیش کیا اور ترجمان کے ذریعہ امیر سے گفتگو کی۔ اپنے بادشاہ کی ہدایت کے مطابق انگلستانی وفد نے ناصر لدین اللہ سے کہا کہ اگر آپ شاہ جان کی مدد کریں تو وہ آپ کے باج گزار بن جائیں گے۔ نیز یہ کہ عیسائیت پر ان کا اعتقاد ختم ہو گیا ہے اور وہ "افریقہ اور مراقش اور اسپین کے عظیم بادشاہ" کے ہاتھ پر اسلام قبول کرنے کے لئے تیار ہیں اور اسی کے ساتھ ان کی رعایا بھی۔ وفد نے انگلستان کی تعریف میں مزید کہا کہ وہ ایک زرخیز ملک ہے۔ اس کے باشندے تین زبانوں کو جاننے والے ہیں: لاطینی، فرانسیسی اور انگریزی۔ وہ مختلف قسم کی فنی صلاحیتیں بھی رکھتے ہیں۔

مگر امیر ناصر لدین اللہ نے اس پیش کش کو قبول نہیں کیا۔ اس نے اس کو سیاسی چال سمجھا۔ اس نے کہا "میں نے کبھی نہیں سنا کہ کوئی بادشاہ جس کے پاس اتنا قیمتی ملک ہو، خود سے اپنے آپ کو دوسرے بادشاہ کے حوالے کر دے"۔ اس نے وفد کے لوگوں کو اپنے دربار سے نکال دیا اور کہا کہ اب کبھی میرے پاس نہ آنا۔ اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے گیبریل رونے نے لکھا ہے: "تیرھویں صدی عیسوی میں انگلستان مکمل طور پر ایک مسلم ملک بن جاتا اگر ناصر لدین اللہ شاہ جان کی پیش کش کو قبول کر لیتا"۔ شاہ انگلستان کے اسلام کو قبول نہ کرنا ناصر لدین اللہ کے لئے مہنگا پڑا۔ ۶۰۹ھ میں یورپی فوجیں بہت بڑی تعداد میں شاہ الفانسو کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو کر مسلم اندلس پر حملہ آور ہوئیں۔ ناصر لدین اللہ کے ساتھ چھ لاکھ کا لشکر تھا۔ مگر امیر کی نااہلی کی وجہ سے اس کو بری طرح شکست ہوئی۔ بیشتر مسلم فوج العقاب کے میدان میں عیسائیوں کے ہاتھوں مار ڈالے گئے۔ ایک عظیم امکان ایک بدترین انجام میں تبدیل ہو گیا۔

How England was Lost to Islam?

Had powerful Moorish ruler Emir Mohammed Al-Nassir overlooked the fact that Islam forbids taking undue advantage of helpless people, England would have become a Muslim country in the 13th century —some 800 years ago.

Gabriel Ronay in his book "The Tarter Khan's Englishman" published by Cassel, disclosed that in 1213 King John of England sent a secret emissary of three persons to Moorish ruler Emir Mohammed Al-Nassir with offer of homage and promise that if England were to be received into the Arab fold King John would become the Emir's tribute-paying vassal and he along with his subjects convert to Islam.

Ronay came across verbatim account of secret emissary while researching for book on Robert Dad, London Catholic priest who was also one of the emissary sent to Al-Nassir and who was later excommunicated and banished from England by King John for his role in the Magna Carta rebellion of 1215.

This forgotten episode of English history when King John offered to become Muslim along with his subjects was dutifully recorded by Saint Alban's chronicler of 13th century, Mathew Paris. There is little to question veracity of his account writes Ronay, because he heard it straight from those emissaries.

Nasser's Rebuff: Baron Thoma Hardington, head of King John's emissary, according to Paris accounts, was instructed by John to tell Emir Al-Nassir "great King of Africa, Morocco and Spain that he would voluntarily give up to him, himself and his kingdom, and if he pleased, would hold it as tributary for him and that he would also abandon Christian faith which he considered false and would faithfully adhere to law of Mohammed".

Baron Hardington, who was accompanied by Baron Relph Fitznicholas and Catholic priest Master Robert de London handed King John's letter to the Emir and with the aid of an interpreter proceeded to convey with oratorial skill the richness of England's soil, fertility of its fields and skill of its people "who are handsome and ingenious, are skilled in three languages, Latin, French and English as well as in every liberal and mechanical pursuit".

Ronay describes Emir's reply as "exceptionally level headed" when he said, "I have never read or heard that any king possessing such prosperous kingdom, subject and obedient to him, would thus voluntarily ruin his sovereignty by making tributary to a country that is free by giving to a stranger that which is his own by turning happiness to misery and thus giving himself up to will of another conquerred as it were without wound".

Upon his emissary's return to England, King John "wept bitterly in being baulked in his purpose".

Catholic priest, Master Robert de London later was excommunicated and banished from England as result of his role in Magna Carta rebellion. He went to Mongolia to become Tartar Khan's chief diplomat and later to return to Europe eventually as head of the Tartars that converted nearly half of Europe to Islam.

Sunday TIMES (London)
October 22, 1978

صدر ضیاء الحق کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی رہنمائی کے لیے بھیجا ہے

مصری جریدے الازہر کے مدیر اعلیٰ کا صدر کو خراج عقیدت،

قاہرہ ۱۰ اپریل (وا پ پ) مصر کے موقر جریدے الازہر کے چیف ایڈیٹر شیخ عبد الودود شلبی نے صدر ضیاء الحق کو حق کا فرستادہ اور مرد مومن قرار دیا ہے جریدے میں صدر ضیاء الحق کے نام ان کا ایک خط شائع ہوا ہے جس میں انہوں نے صدر ضیاء الحق کو پاکستان میں اسلامی قوانین نافذ کرنے پر زبردست خراج تحسین پیش کیا ہے اور کہا ہے وہ نہ صرف پاکستانیوں کو بلکہ ساری دنیا کے مسلمانوں کو بے حد عزیز ہیں۔ انہوں نے صدر ضیاء الحق کو مخاطب کر کے کہا کہ آپ کو مسلمانوں کی راہنمائی کے لیے آگے لانے میں خدا تعالیٰ کی حکمت پوشیدہ ہے۔ خدا تعالیٰ آپ سے جو کام لینا چاہتا ہے آپ اعتراف اور ثابت قدمی سے انجام دیں آپ کے نام کے معنی حق اور روشنی کے ہیں، جب روشنی آتی ہے تو تاریکی کا فور ہو جاتی ہے اور حق یقیناً باطل کو شکست دے گا۔ شاید اللہ تعالیٰ آپ سے لا مذہبی قوتوں کو ختم کرنے کا کام لینا چاہتا ہے۔ شرعی نظام کے نفاذ سے آپ نے پاکستان کو ایک ولولہ تازہ عطا کیا ہے اور اس کے ذہنی جسم کو ایک نئی زندگی بخشی ہے۔ آپ نے پاکستان کو وہ کچھ دیا جو اس سے پہلے کوئی شخص نہ دے سکا۔ آپ کے مقدس مشن کو آگے بڑھانے کے لئے دنیا کا ہر مسلمان آپ کے ساتھ ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں اسلامی ایشیائی کانفرنس اور علامہ اقبال کی صد سالہ برسی کے موقع پر ان سے ملا ہوں۔ ان کی سادگی اور جذبے سے بے حد متاثر ہوا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان صرف اور صرف اسلام کی بنیاد پر قائم ہوا تھا اور جب سے یہ معرض وجود میں آیا ہے مصری عوام اسے دل و جان سے چاہتے ہیں اور اس کے حالات واقعات پر گہری نظر رکھتے ہیں لیکن افسوس کہ ماضی کے حکمرانوں نے پاکستان میں اسلامی معاشرے کے قیام اور اسلامی نظام نافذ کرنے کے بارہ میں کچھ نہ کیا۔ وہ اسلام کی بجائے مغرب پر انحصار کرتے رہے اور بتدریج ملک کو اسلام سے دور لے جاتے رہے۔ انہوں نے اخلاقی انحطاط اور ذہنی افلاس دور کرنے کی طرف بھی کوئی توجہ نہ دی۔

ضروری اعلان!

جن حضرات کے چندے ختم ہوتے ہیں ان کو لال نشان یا خط کے ذریعہ اطلاع دی جاتی ہے۔

آپ کو ختم چندہ کی اطلاع ملے تو فوراً اپنا چندہ ارسال کریں۔

پندرہ روز انتظار کے بعد اگلا شمارہ وی۔ پی سے روانہ ہوگا جس میں 3/25 آپ کو زائد دینے پڑیں گے۔

منی آرڈر فارم میں نیچے کوپن پر اپنا پورا پتہ اور خریداری نمبر ضرور لکھا کریں۔

عمدہ کتابیں ۔۔۔ ارزاں کتابیں

انتہائی کم قیمت پر ایسی زندہ و روشن دینی، ادبی، تاریخی، اصلاحی کتابیں جو ہر انسان کو ہمیشہ نیک راہ دکھائیں اور باوقار زندگی بسر کرنے میں معاون ثابت ہوں۔ ملک کے طول و عرض میں ایسی بامقصد کتابیں پھیلانے کا ایک انقلاب آفریں پروگرام، جس کے تحت پہلی سیریز مکمل ہو چکی ہے ۔۔۔ اپنی پہلی فرصت میں ہم سے طلب فرمائیں۔

- تدبر قرآن (جلد اول) مفسر امین احسن اصلاحی ۔۔۔ اردو ۔۔۔ فوٹو آفسیٹ، سائز ۲۰×۳۰/۸
- دی میننگ آف گلوریس قرآن (مترجم ام۔ مارماڈیوک پکتھال) ۔۔۔ انگریزی ۔۔ ۲۰×۳۰/۱۶
- دی میننگ آف گلوریس قرآن (مترجم ام۔ مارماڈیوک پکتھال) انگریزی معربی ۔۔ ۱۸×۲۲/۸
- دی میننگ آف گلوریس قرآن (مترجم ام۔ مارماڈیوک پکتھال) انگریزی معربی متن (ایکسپورٹ کوالٹی) ۱۸×۲۲/۸
- نماز ۔۔۔ احکام الصلوٰۃ ۔۔۔ خوشنما ٹائٹل ۔۔۔ فوٹو آفسیٹ، سائز ۲۰×۳۰/۱۶
- نماز مترجم (مع ضروری مسائل) رنگین ۔۔۔ خوشنما ٹائٹل ۔۔ ۲۰×۳۰/۱۶
- قاعدہ یسرنا القرآن ۔۔۔ خوشنما ٹائٹل ۔۔ ۲۰×۳۰/۱۶
- قرآن معربی عکسی نمبر ۲ ۔۔۔ جدید ترین کتابت ۔۔ ۲۰×۳۰/۸

زیر طبع:

- تدبر قرآن (جلد دوم) ۔۔۔ سائز ۲۰×۳۰/۸
- آدھی رات کی آزادی (پبلشر علی محمد اینڈ سنز) ۔۔۔ سائز ۲۳×۳۶/۱۶

نوٹ: آپ مندرجہ ذیل اداروں کی کتب بھی ہم سے طلب فرما سکتے ہیں۔ بک سیلر حضرات کو مناسب رعایت دی جائے گی۔

ادارہ الحسنات رامپور، مکتبہ ذکری رامپور، مکتبہ حجاب رامپور، انجمن ترقی اردو دہلی اور مکتبہ الرسالہ دہلی

ناشر: ورلڈ اسلامک پبلیکیشنز، ۸۰ جامع مسجد دہلی

اخبار العالم

رومانیہ اب روس کے احکامات بجا لانے کو تیار نہیں

کمیونسٹ اتحاد پارہ پارہ ہونے کی پیش گوئیاں کی جانے لگی ہیں

۱۹۴۸ء میں یوگوسلاویہ کے مارشل ٹیٹو نے اسٹالن کے احکامات کی خلاف ورزی کی اور انہیں کمیونسٹ بلاک سے نکال باہر کیا گیا، اس وقت سے بحرانوں کا اکثر سامنا کرنا پڑا ہے۔ رومانیہ کے صدر نکولائی چاؤشسکو اس بات کے لئے تیار نہیں کہ کریملن کے نقش قدم پر آنکھیں بند کر کے چلیں، یوگوسلاویہ کے رہنما کی طرح وہ بھی آزاد اور خود مختار حکمت عملی اپنانے پر مصر ہیں۔ صرف ایک ہفتے میں وہ پانچ مرتبہ واشگاف الفاظ میں ماسکو کی قیادت کے خلاف بولے اور اپنی تقریروں میں صاف صاف کہہ دیا کہ وہ کریملن کی ہرگز اندھا دھند تقلید نہیں کریں گے، ان کا ملک ایک آزاد خود مختار ملک ہے۔ اور وہ وہی فیصلہ کرے گا جو اس کے مفاد میں ہوگا۔ سوویٹ یونین کے صدر برزنیف نے رومانیہ کے صدر کی اس کھلی بغاوت کو اپنے وقار کا مسئلہ بنا لیا ہے۔ اور سیاسی میدان میں بھی وہ چاؤشسکو کو اپنا حریف اعلیٰ گردان رہے ہیں۔ اور چاؤشسکو کو ہدف تنقید بنا لیا ہے یہ بحران صرف اس لئے خطرناک ہے کہ رومانیہ نے ماسکو کے مقرر کردہ اصولوں سے انحراف کیا، بلکہ رومانیہ کے اس طرز عمل سے ڈر یہ ہے کہ دوسرے بھی کہیں ایسا ہی کرنے لگ جائیں۔ اور کمیونسٹ کیمپ میں افراتفری پھیل جائے۔ اندیشہ ہے کہ وارسا پیکٹ ممالک میں دراڑ پڑ جائے۔

وارسا پیکٹ کا معاہدہ مئی ۱۹۵۵ء میں ہوا تھا اور اس میں سوویٹ یونین، پولینڈ، چیکوسلواکیہ، ہنگری، مشرقی جرمنی، رومانیہ اور البانیہ شریک ہوئے تھے۔ البانیہ نے ستمبر ۱۹۶۸ء میں اس فوجی معاہدہ سے علیحدگی اختیار کر لی تھی۔

مبصرین کہتے ہیں کہ مارشل جوزف ٹیٹو کی طرح رومانیہ کے مرد آزاد چاؤشسکو کی آواز میں بھی بڑی گھن گرج ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں اس وقت سے کمیونسٹ ہوں جب میری عمر محض سولہ سال تھی مگر روس میرا سامراجی دشمن ہے۔ اور یہ سب پر افضل ہے۔ سیاسی مبصرین کا خیال ہے کہ رومانیہ کی کریملن سے مخالفت ویسی نہیں ہے جیسی یوگوسلاویہ کی تھی۔ اور اس کا بھی بہت کم امکان ہے کہ یوگوسلاویہ اور البانیہ کی طرح رومانیہ بھی سوویٹ بلاک سے علیحدہ ہو جائے، چاؤشسکو کے متعلق یہ بات مشہور ہے کہ وہ بہت بالغ نظر سیاستداں ہے۔ وہ یہ بات بڑی اچھی طرح جانتا ہے کہ مخالفت میں اسے کہاں تک جانا چاہیے اور کہاں سے واپس آنا چاہیے کہ توازن خراب نہ ہو۔ اور حالات اس کے قابو میں رہیں کیونکہ رومانیہ کا سوویٹ یا کمیونسٹ سایہ عاطفت سے نکلنے کا مطلب ایک ایسی تباہی ہوگا جس کا تصور دشوار ہے۔ کمیونسٹ اتحاد پارہ پارہ ہو جائے گا۔

رومانیہ کی قیادت اختلافات کے باوجود اپنے آپ کو کمیونسٹ کیمپ میں باغی یا غدار کی حیثیت سے گردانتا نہیں ہے۔ برزنیف اور چاؤشسکو کی براہ راست ٹکراؤ بہت سے تصادموں کا پیش خیمہ ثابت ہوگی۔ اور مبصرین کا خیال ہے کہ کریملن کا یہ مطالبہ کہ دفاعی اخراجات میں اضافہ جو وارسا پیکٹ کے ساتوں ارکان کریں گے۔ رومانیہ کو بھی اس میں برابر کا حصہ لینا چاہیے اور یہ اس لئے ضروری ہے کہ مغربی ممالک اپنے دفاعی اخراجات میں تین فیصد اضافہ کر رہے ہیں۔ جسے رومانیہ نے اب تک منظور نہیں کیا ہے۔ اور نہ شاید کرے۔ ...

ہوتا ہے کہ رومانیہ کے اس انکار کے علاوہ ایک اور وجہ مخالفت یہ بھی ہے کہ صدر برزنیف نے مشرق اوسط کے بارے میں ایک اعلان جاری کیا تھا، جس میں وہ رومانیہ کا نام بھی شامل کرنا چاہتے تھے۔ برزنیف کے اعلان کے مطابق جو کہ ۲۲ / ۲۳ نومبر ۱۹۷۸ء کو جاری ہوا تھا۔ سوویٹ یونین اپنی عزت کو بحال کرنے کے لئے

صدر جمی کارٹر کی مداخلت اور کیمپ ڈیوڈ کانفرنس کی پرزور مذمت کرنا چاہتے تھے اور ان کا مقصد یہ تھا کہ تمام کمیونسٹ کیمپ کے ارکان یک آواز ہو کر کیمپ ڈیوڈ معاہدہ اور امریکی مداخلت کی مذمت کریں، اس خیال کے تحت کہ کہیں رومانیہ ماسکو میں منعقد ہونے والی سربراہ کانفرنس میں مخالفانہ رویہ نہ اختیار کرے۔ کیونکہ یورپ میں رومانیہ ہی وہ واحد کمیونسٹ ملک ہے جس کے اسرائیل کے ساتھ سفارتی تعلقات ہیں اور ساتھ ہی عربوں سے بھی اس کے تعلقات قائم ہیں۔ برزنیف نے اپنے تجربہ کار وزیر خارجہ مسٹر اندرے گرومیکو کو بخارسٹ بھیجا تاکہ چاؤشسکو نے گرومیکو کی باتیں سنیں اور اس کے بعد ماسکو کو ایسا تحقیر آمیز جواب دیا کہ برزنیف کے آگ لگ گئی۔ رومانیہ نے اپنے جواب میں کہا کہ وارسا پیکٹ اس لئے وجود میں لایا گیا کہ مشرقی یورپ کے ممالک کی سلامتی اور آزادی برقرار رہے نہ اس لئے کہ مشرق وسطی کے جھگڑے میں ٹانگ اڑائی جائے۔ کہا جاتا ہے کہ مصر و اسرائیل کے مابین مصالحت کرانے میں چاؤشسکو کا بھی ہاتھ ہے۔ اور رومانیہ کی مشرق اوسط میں بڑی عزت ہے۔

گذشتہ ماہ اپریل میں واشنگٹن میں چاؤشسکو نے اس بات پر اصرار کیا کہ جس طرح ممکن ہو مشرق اوسط میں امن بحال کر دیا جائے۔ رومانیہ کے صدر نے بات چیت پر زور دیا اور کہا کہ مسلسل بات چیت سے کوئی نہ کوئی راہ ضرور نکل آئے گی۔ اور اسرائیل مقبوضہ علاقوں کو خالی کرنے پر آمادہ ہو جائے گا۔ چاؤشسکو کہتے ہیں کہ فلسطینی اور فلسطینیوں کے سوال کو حل کرنا پڑے گا۔ اور اس مسئلہ کے حل کے بغیر مشرق وسطی میں کبھی امن قائم نہ ہوگا، یہ صرف عربوں کا مطالبہ نہیں ہے بلکہ ہر انصاف پسند کا مطالبہ ہے۔ چاؤشسکو نے اسی لئے برزنیف کے یکطرفہ فیصلے کو ماننے سے انکار کر دیا۔ کہا جاتا ہے کہ دوسرے اختلافات نے بھی سر اٹھایا ہے۔ کیونکہ رومانیہ کا خیال ہے کہ وہ وارسا پیکٹ کے دائرہ اختیار سے باہر ہیں، جیسے چینی چیئرمین ہوا کو فینگ کی بخارسٹ میں آمد برزنیف اندرونی دفاع کو مضبوط بنایا جائے۔ رومانیہ ابتدا ہی سے بیرونی مداخلت کا مخالف ہے۔ بقول چاؤشسکو ہمارے عوام پانچ سو برس غلامی برداشت کر چکے ہیں۔ لہذا ہمیں اپنی آزادی بہت عزیز ہے۔ اور اسے ہم ہمیشہ قائم رکھیں گے۔ اور رومانیہ نے اپنی سرزمین پر وارسا پیکٹ کی تمام جنگی مشقوں پر پابندی لگا رکھی ہے۔ روس کی دھمکیوں کے باوجود بھی بندے رومانیہ واحد کمیونسٹ ملک ہے جس نے برزنیف کی دعوت کو ٹھکرا دیا تھا اور جب روس نے چیکوسلواکیہ پر حملہ کیا تھا، تو روس کی حمایت نہیں کی تھی رومانیہ نے روسی افواج کو بلغاریہ جانے کے لئے اپنے ملک سے گذرنے کی اجازت بھی نہیں دی تھی۔ گذشتہ نومبر میں ماسکو میں منعقد ہونے والی سربراہ کانفرنس میں چاؤشسکو کو اس شعبہ کا مقابلہ کرنا پڑا۔ کہ روس کی ایک متحدہ فوج وارسا پیکٹ کے تمام ممالک کے لئے بنائی جائے اور اسے یہ اختیار حاصل ہو کہ شریک ممالک کی فوجی افواج کو کنٹرول

کر سکے۔ رومانیہ نے اس کی شدید مخالفت کی اور کہا کہ یورپ میں لڑائی کا ابھی کوئی خطرہ نہیں ہے۔ اسلئے ایسی فوج کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں اس طرح ماسکو کی تجویز کو چاؤشسکو نے منظور نہ ہونے دیا، اسی طرح دفاعی مزید اخراجات کے مطالبے کو بھی رومانیہ نے منظور نہ کیا، برزنیف نے وارننگ دیتے ہوئے کہا کہ وارسا پیکٹ کے دفاعی انتظامات میں کسی قسم کی سستی ایسا ناقابل تلافی نقصان ہوگا، جس کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ اور سوشلزم کو ایسا دھچکا لگے گا، جس کا مداوا نہ ہو سکے گا۔ آزادی اور خود مختاری کا یہ اصرار کہ چین کی متحدہ مذمت کی جائے۔ یا ویتنام کی متحدہ اور مشترکہ حمایت اور اس کی ہر طرح امداد اور تعاون وغیرہ۔

چاؤشسکو نے پہلے ہی مرحلے میں برزنیف کو چاروں شانے چت کر دیا ہے۔ اس لئے اس کی ہمت بہت بلند ہو گئی ہے۔ اور اس نے یہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ وارسا پیکٹ کا مقصد محض اس قدر ہے کہ اس میں شریک ممالک کسے تک خطرے میں پڑ سکتی ہے۔ مگر چاؤشسکو کو سب سے زیادہ فکر رومانیہ کی معیشت کی ہے وہ جنگی ہتھیاروں کے جنون سے متنفر ہے۔ اور تقریباً تمام یورپین کمیونسٹ ممالک بھی اسی انداز سے سوچ رہے ہیں۔

رومانیہ کے پاس تیل کے بڑے بڑے ذخائر موجود ہیں۔ اور اس کی پیداوار ۵ ملین ٹن سالانہ ہے کوئلے کی پیداوار ۳۰ ملین ٹن سالانہ ہے۔ مالڈیویا اور ولتھیا کے علاقے میں یورپ کی زرخیز ترین زمینیں بھی ہیں۔ مگر اس کے باوجود ملک کو سخت معاشی مشکلات کا سامنا ہے۔ معیار زندگی پست ہے۔ مزدوروں کو اچھی اجرتیں دینا ممکن نہیں۔ اسی لئے اگست ۱۹۷۷ء میں یہاں ہڑتال بھی ہو چکی ہے۔ ایک آمرانہ نظام میں ہڑتال بڑے تعجب کی بات تھی جس سے چاؤشسکو بہت پریشان ہو گئے تھے۔

اور انہوں نے اس قسم کی کارروائیوں کے سدباب کے لئے روایتی سوشلسٹ ہتھکنڈے استعمال کئے تھے۔ بہرحال وہ اس کے بھی قائل ہیں کہ عوام کے جائز حقوق کو یکسر نظر انداز کیا جائے۔ چاؤشسکو نے تو کافی سخت آدمی ہیں مگر درست بات کو تسلیم کرتے ہیں، مگر ان کے اخراجات کے وہ اس وقت روادار ہوتے ہیں جب اس سے ملکی صنعتی ترقی متاثر نہ ہوتی ہو۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان کی اس پالیسی کو عوام پسندیدگی کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ نیز رومانیہ کی کمیونسٹ پارٹی کی مرکزی کمیٹی بھی اس حکمت عملی پر عمل پیرا ہے۔

مسٹر چاؤشسکو کو آئندہ ہفتے روس کے صدر لیونڈ برزنیف کے سخت دباؤ کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اور سوویٹ یونین کی قیادت انہیں اس پر مجبور کرنے کی کوشش کرے گی، کہ وہ ان کی بات مان لیں، مگر مبصرین کا خیال ہے کہ چاؤشسکو اس دباؤ کے سامنے نہیں جھکیں گے۔ اگرچہ رومانیہ کے پاس معمولی ہتھیاروں سے مسلح صرف ایک لاکھ اسی ہزار فوج ہے۔ اور اس کی ساڑھے چار سو میل لمبی سرحدیں روس سے ملتی ہیں مگر روس ہنگری کی طرح بخارسٹ کو اپنے ٹینکوں سے روندنے کی جرات نہیں کرے گا۔ البتہ رومانیہ کو سخت معاشی مشکلات کا سامنا ہو سکتا ہے۔ کیونکہ رومانیہ کی چالیس فیصد تجارت سوویٹ یونین سے ہوتی ہے۔ روس اسے جھکنے پر رومانیہ کو جھکنے پر مجبور کر سکتا ہے۔ نیز روس رومانیہ کو تقریباً پچاس فیصد خام مال اور فولادی صنعت کے لئے خام لوہا فراہم کرتا ہے جو وہ بند کر دے گا یہ بات چاؤشسکو بھی اچھی طرح جانتے ہیں، بہرحال دیکھنا یہ ہے کہ رومانیہ کتنی دیر اور کیسے روسی دباؤ کا مقابلہ کرتا ہے۔

انسانی سوچ، فطری تقاضوں اور سماجی و معاشی ضرورتوں کو زیادہ عرصہ تک کسی غیر فطری نظام زندگی کے ذریعہ پابند نہیں رکھا جا سکتا۔ اسی حقیقت کا برملا اظہار ان دنوں اشتراکی روس میں عام طور پر ہو رہا ہے۔ لوگوں میں اشتراکی طرز زندگی کے خلاف جو بددلی سامنے آ رہی ہے، اس کا واضح ثبوت خود روس کی اشتراکی حکومت کے حالیہ اقدامات ہیں جو صورت حال پر قبل از وقت تدارک کی کوشش معلوم ہوتے ہیں۔ اب یونائیٹڈ پریس کے حوالے سے ایک نیوز فیچر شائع کیا ہے جس میں اس موضوع پر قلم اٹھایا گیا ہے۔ رپورٹ کے مطابق حکومت روس نے لوگوں کے بے حد اصرار پر بعض اشیاء صرف کے کاروبار کی اجازت دیدی ہے۔ روس کے قانون کے مطابق کوئی شخص حکومت کی اجازت کے بغیر اشیائے صرف کی خرید و فروخت کا کاروبار نجی طور پر نہیں کر سکتا مگر حکومت نے کاشتکاروں کو چھوٹے پیمانے پر نجی زراعت کی جو اجازت دی تھی اس کے نتیجے میں اب اسے اشیائے صرف کی بھی اسی پیمانے پر خرید و فروخت کی اجازت دینی پڑی ہے۔

روسی حکومت نے مجبور ہو کر عوام کو نجی کاروبار کی اجازت دیدی

روس کی اشتراکی حکومت کو کمیونسٹ انقلاب کے اس مرحلے پر مسلسل اس تقاضے کا سامنا ہے کہ لوگوں کا مطالبہ ہے کہ انہیں دنیا کے دوسرے ترقی یافتہ معاشروں کے افراد کی طرح اپنی پسند کا لباس پہننے کی اجازت دی جائے خواتین سنگھار کا سامان خریدنے کا مطالبہ کر رہی ہیں۔ روسی لوگوں کا کہنا ہے کہ اشتراکی نظام کے تحت نارواسخت پابندیوں کے نتیجے میں ان کی زندگی اجیرن ہو گئی ہے اور وہ ان غیر فطری پابندیوں میں اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس کرتے ہیں۔ لوگوں کی ان بھرپور امنگوں کے پیش نظر روس کی اشتراکی حکومت نے بکمال مجبوری سمجھوتہ کرنا شروع کر دیا ہے۔ اور اس میں رد و بدل کیا جا رہا ہے۔ اس کی تازہ ترین مثال یہ ہے کہ حکومت کو بعض چیزوں کی خریداری کی اجازت دینی پڑی ہے ۱۹۷۰ء کی روسی مردم شماری کے مطابق صرف اعشاریہ ایک فیصد لوگ ریاست کے ملازم نہیں ہیں۔ یہ تعداد ایک لاکھ ۴ ہزار بنتی ہے۔ یہ لوگ اپنا ذاتی کاروبار کرتے ہیں۔ ان لوگوں میں دستکار، مصنف، آرٹسٹ، سازندے، لسانیات کے ٹیچرز، آٹو میکینکس اور مستری شامل ہیں اس کے علاوہ وہ افراد بھی ہزاروں کی تعداد میں ہیں جو غیر سرکاری طور پر بلیک مارکیٹ میں نجی کاروبار کرتے ہیں۔ یہ لوگ جینز، موسیقی

خواتین سنگھار کا سامان خریدنے کا مطالبہ کر رہی ہیں

کے ریکارڈز اور کتابیں بیچتے ہیں، انہوں نے جلد کے پیچھے بستیوں کے کونوں کھدروں میں یہ کاروبار شروع کر رکھا ہے۔ ان کے پاس میک اپ کا سامان، خواتین کے زیورات، جوتے اور ایسی استعمال کی چیزیں ہوتی ہیں جن کی سرکاری طور پر انہیں فروخت کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ اس چوری چھپے کاروبار کی وجہ یہ ہے کہ حکومت عموماً نجی کاروبار کی حوصلہ شکنی کرتی ہے۔ مثلاً قانونی طور پر کاروبار کرنے کے لئے کسی درزی یا کسی دستکار کو حکومت سے اجازت نامہ حاصل کرنا پڑتا ہے اور ٹیکس کے طور پر حکومت کو کچھ دینا پڑتا ہے۔ جو لوگ بلا اجازت یہ کام کرتے ہیں ان کو ہر وقت جان کا خطرہ لگا رہتا ہے۔ کیونکہ اس نجی کاروبار کی سزا شاید موت بھی ہو سکتی ہے۔

ایک سال پہلے حکومت روس نے اس معاملے میں نرمی اختیار کرنے کا فیصلہ کیا۔ چادر نجی کاروبار کا عام لوگوں ... پھر دروازہ کھولنے کا فیصلہ کیا گیا۔

کشمیر سے ایک دردمند کا مراسلہ

مخدومی حضرت مولانا علی میاں صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

اخبارات کے ذریعہ آپ کو اس تباہی اور بربادی کا علم ہو ہی گیا ہوگا جو مرحوم بھٹو کی پھانسی کے بعد یہاں وادی کشمیر میں رونما ہوئے۔ اخبارات میں جو اس کی تفصیل آئی وہ اصل واقعات کا بہت کم حصہ ہے۔ تباہی وسیع پیمانہ پر ہوئی ہے۔ ۲۲ بچے ابھی تک لاپتہ ہیں جن کے بارے میں اندیشہ ہے کہ جل کر شہید ہوئے ہیں، تینوں اضلاع میں جماعت اسلامی کے ۱۲ افراد ہلاک ہو گئے ہیں۔ جن میں ۸ ارکان جماعت اور ۴ ہمدردان جماعت ہیں۔ جماعت اسلامی سے وابستہ افراد کے مکانات و دکانات جل کر راکھ ہو گئے ہیں۔ اندازہ ہے ۲ ہزار سے زائد مکانات و دکانات جل گئے ہیں۔ جماعت اسلامی، اسلامی جمعیۃ الطلبہ اور اسلامک اسٹڈی سرکلز کے تمام دفاتر جلائے گئے یا لوٹے گئے۔ اور ان تنظیموں سے وابستہ افراد کے اثاثوں کو مال غنیمت جان کر لوٹا گیا۔ بعد میں خالی مکانوں اور دکانوں کو جلایا گیا۔ عصمت مآب اور پردہ نشین خواتین کی بے حرمتی اور آبروریزی کی گئی۔ باریش اصحاب کی داڑھیاں نوچی گئیں۔ اسلامی لٹریچر جن میں تصنیفات مولانا مودودی اور آپ کی تصنیفات ہیں ان کو جلایا گیا اور روندا گیا۔ جماعت کی لائبریریوں، مکتبوں اور درسگاہوں کو جلایا گیا۔ قرآن کو روندا گیا اور بعد میں کلمہ گو مسلمانوں نے جلایا، مسجدیں شہید کی گئیں۔

یہاں اتنی تباہی ہوئی کہ چنگیز خاں اور ہلاکو خاں کے دور کی یاد تازہ ہو گئی۔ اس تباہی میں کمیونسٹ، دہریہ، بدعتی اور حکمران نیشنل کانفرنس کے اصحاب نے مکمل اور پورا پورا حصہ لیا۔ حملہ آوروں کی رہنمائی کمیونسٹ لیڈر، حکمران نیشنل کانفرنس کے لیڈر، اور بریلوی جماعت کے ملا بھی کر رہے تھے۔ اور کمال یہ ہے کہ یہ سب تباہی پولس کی نگرانی میں ہوئی۔ وزیر اعلیٰ شیخ عبداللہ نے زبانی مذمت پر ہی اکتفا کیا۔ باقی ریلیف یا امداد کے بارے میں وہ بالکل خاموش ہیں وجہ صاف ظاہر ہے کہ یہ سب کچھ ان کے اشارہ پر ہوا ہے۔

آپ سے مودبانہ گذارش ہے کہ ان حالات اور واقعات پر ملت کے ضمیر کو بیدار کریں اور یہ جو تباہی ہوئی ہے اس پر حکمران نیشنل کانفرنس کے لیڈر شیخ محمد عبداللہ کو اپنے خط کے ذریعہ متاثرہ افراد کی امداد کے لیے کہیں اور خود بھی ریلیف کے لیے اقدامات فرمائیں۔ اور اس مسئلہ کو مسلم مجلس مشاورت میں اٹھائیں۔ اس کے علاوہ اردو پریس کو خصوصاً "نئی دنیا" دہلی اور "عوام" دہلی، نشیمن بنگلور وغیرہ جنھوں نے پچھلے ۲ سال کے دوران بھٹو صاحب کے بارے میں طوفان مچایا اور ایسی خبریں اور تبصرے شائع کئے جن کا یہاں کے حالات پر کافی اثر پڑا۔ ان کے ایڈیٹروں کو ان کی ضمیر فروشی پر انتباہ فرمائیں۔ یہ اردو اخبارات مسلمانوں کو تباہ کر رہے ہیں، برباد کر رہے ہیں اور ان کی سوچ اور فکر میں منفی رجحانات پیدا کر رہے ہیں۔ آپ ہندی مسلمانوں کے قائد اور مخلص رہنما ہیں اس لیے یہ گذارشات آپ سے کر رہا ہوں۔ والسلام

طالب دعا: محمد اشرف

الزام تراشی، دشنام طرازی

مکرمی ایڈیٹر صاحب، تسلیم!

انتہائی افسوس ہے اور حیرت بھی ہوتی ہے ان ہندوستانی مسلمانوں کی عقلوں پر جو مرحوم ذوالفقار علی بھٹو کی ہمدردی میں زمین و آسمان کی قلابیں ملائے ہوئے ہیں اور ضیاء الحق و دوسرے لوگوں پر طرح طرح کی الزام تراشی اور دشنام طرازی کر رہے ہیں بھٹو کو بے گناہ اور دوسروں کو مجرم قرار دیتے نہیں تھک رہے ہیں وہ لوگ اپنے گریبانوں میں منہ ڈال کر دیکھیں اور سوچیں کہ اس وقت ان کی قلم اور زبانیں کیوں بند تھیں جب بھٹو نے اپنے ملک کے ٹکڑے محض اپنے اقتدار کی ہوس میں کروا دیے لاکھوں کو موت کے گھاٹ اتروا دیے۔ بھٹو اور اندرا نے مل کر بنگلہ دیش بنوایا اور کروڑوں روپیہ ہمارے ملک کا برباد ہوا کروڑوں کو بھوکوں کو مرنا پڑا۔ اور اس وقت ان کی قلمیں کیوں نہیں چلیں اور زبانیں کیوں بند تھیں جب ایمرجنسی میں لاکھوں کی جڑیں کاٹ دی گئیں اور جب لاکھوں بھٹو ہندوستان کی سرزمین پر پولیس اور پی۔ اے۔ سی کی گولیوں سے اڑائے جاتے رہے اور فسادیوں کے ہاتھوں شہید ہوتے رہے۔ پاکستان میں کیا ہو رہا ہے اس کا صحیح اندازہ یہاں بیٹھ کر نہیں لگایا جا سکتا وہاں سے صحیح خبریں یہاں تک نہیں پہونچ سکتیں اپنے صوبہ سے ملا ہوا جمشید پور کا حالیہ فساد اس بات کا ثبوت ہے کہ اتنا بڑا فساد ہوا اور کئی روز تک یہ پتہ نہ چلا کہ کن فرقوں کے درمیان ہوا اور ابھی تک صحیح خبر نہیں ہے کہ کتنا مسلمان شہید ہوا کتنا نقصان ہوا چہ جائیکہ پاکستان کی صحیح خبر کس طرح مل سکتی ہے۔

کون مجرم ہے کون بے گناہ اس کا فیصلہ کرنے والے ہم لوگ کون ہوتے ہیں جبکہ ہم اپنے دیش کے مجرموں کے گلے میں پھندا ڈالنے کی ہمت نہیں رکھتے اور یہاں کے حکمراں کھلے عام جو جی چاہتا ہے کرتے ہیں۔

بھٹو کے نام پر نوحہ خوانی اور نماز غائبانہ ادا کرنے والوں نے کبھی یہاں کے فساد ہونے والوں پر ایصال ثواب کیا ہے یا نماز غائبانہ ادا کیا ہے۔

آدمی جرم کب کرتا ہے کہاں کرتا ہے سزا اس کو کب اور کس طرح ملتی ہے یہ انسانوں کی سمجھ سے بالاتر ہے۔ یہ کل قدرت کے اختیار میں ہے بہتر یہ ہے کہ دوسروں کی فکر چھوڑیں سانپ نکل گیا لکیر پیٹنے سے کچھ حاصل نہیں اپنے ملک کے حالات بدلنے کی فکر کریں جو کہ آپ کا فرض ہے۔ فقط

ڈاکٹر محمد فاروق صدیقی
چوک بہرائچ

بھاگلپور میں عظیم الشان پُر امن تاریخی جلوس

لینڈ اکوزیشن ایکٹ سے مساجد و مقابر و مذہبی مقامات کو مستثنیٰ قرار دیا جائے

مسلم ہائی اسکول تاتار پور بھاگلپور کے وسیع میدان میں ایک عظیم اجتماع بصدارت حضرت مولانا سید شاہ شرف عالم صاحب ندوی سجادہ نشین خلیفہ باغ منعقد ہوا جس میں یہ کہا گیا کہ،

الٰہ آباد ہائی کورٹ لکھنؤ بنچ کے فیصلے کے مطابق مساجد و مقابر کو اکوائر کرنے کا جو اختیار حکومت کو دیا گیا ہے یہ سراسر مسلم پرسنل لا میں مداخلت ہے اور سیکولر دستور کے خلاف ہے، اس لیے ایک میمورنڈم متفقہ منظور کر کے حکومت سے یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ اگر قانون میں نقص ہے تو فوراً ترمیم یا تنسیخ کر کے لینڈ اکوزیشن ایکٹ سے مساجد و مقابر و مذہبی مقامات کو مستثنیٰ قرار دیا جائے۔

محلہ چمپانگر، ناتھ نگر، حسن آباد، سرگ جیب پور، اسانند پور، بکر پور وغیرہ سے فجر کی نماز کے بعد سے بچے، بوڑھے، جوان مسلم ہائی اسکول کے وسیع میدان میں جمع ہونے لگے۔ بچوں، جوانوں کے ہاتھوں میں بینر، جھنڈے اور تختیاں تھیں جس پر لکھا تھا "مسلم پرسنل لا میں ہرگز مداخلت برداشت نہیں کریں گے" "مساجد و مقابر کی تحفظ کے لیے ہم خاموش احتجاج کرتے ہیں" "تمام مذہبی مقامات کی قانونی حفاظت کی جائے"۔

مسلم ہائی اسکول کے میدان میں جناب ارشاد نبی ایڈوکیٹ نے تقریر کی اور جناب مولانا رضا احمد انصاری صاحب نے اپنی تقریر میں کہا کہ "الٰہ آباد ہائی کورٹ لکھنؤ بنچ نے مساجد و مقابر و مذہبی مقامات کو اکوائر کرنے کے سلسلے میں جس قسم کا فیصلہ دیا ہے مسلم پرسنل لا میں یہ سراسر مداخلت ہے ہم مسلمان اسے ہرگز برداشت نہیں کریں گے"۔ بعد اس کے جناب صدر مولانا سید شاہ شرف عالم صاحب ندوی نے حکومت سے کئے گئے مطالبہ کو عظیم اجتماع میں پڑھ کر سنایا جس کی تائید حاضرین جلسہ نے ہاتھ اٹھا کر کی۔

(بقیہ صفحہ ۹ پر)